# طوطن خامن
# کی بددعا

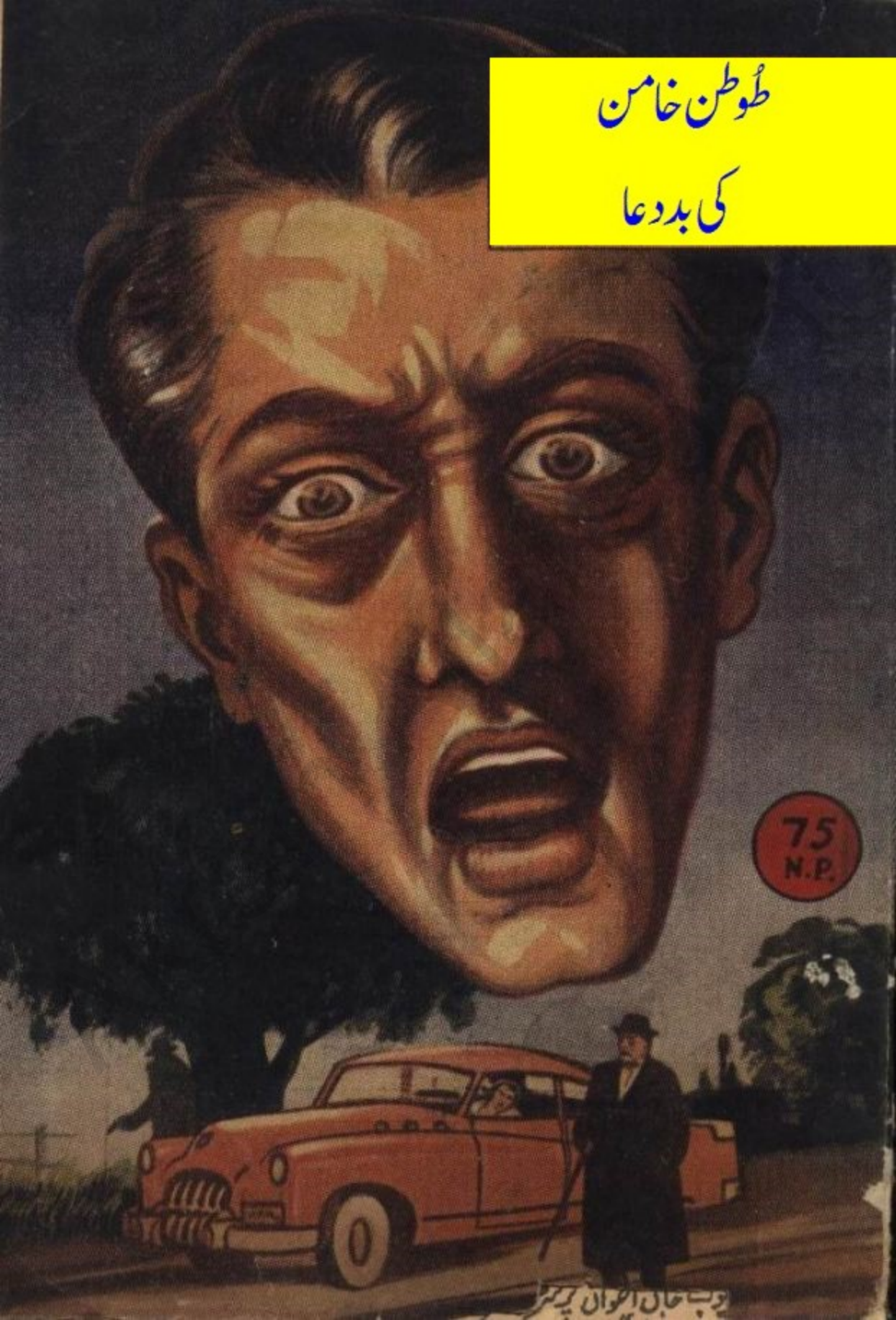

جاسوسی دائرہ سیریز

# طُوطن خامن کی بد دعا

اکرم الہ آبادی

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

# ایک خوفناک یاد

''یہ ۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے۔اس وقت میری عمر صرف ۲۰ سال کی تھی۔'' پروفیسر یاور مرزا نے کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔۶۰ سال کی عمر میں بھی ان پر بوڑھاپے کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔کمر سیدھی تھی اور جسامت بھاری، چہرے پر ابھی تک سرخی اور چمکناہٹ موجود تھی، البتہ سر کے بال سامنے اور درمیان سے جھڑ گئے تھے۔ان کے منہ میں دانت بھی پورے تھے اور آنکھوں کی روشنی جوانوں سے بہتر تھی۔انھیں دیکھ کر یہ یقین کرنا بھی مشکل ہو جاتا کہ ان کی عمر ۶۰ سال ہے۔

وہ پچھلے ۳۵ سال سے محکمہ آثار قدیمہ کے رکن تھے اور اپنی عمر کے اس حصے میں انھیں اس محکمہ کا ڈائرکٹر بنا دیا گیا تھا۔

''خان صاحب، میرے خاندان میں یہ پانچویں موت پچھلے سال ہی واقع ہوئی تھی جو اتنی ہی غیر متوقع، اچانک اور حیرت ناک تھی جتنی اس سے قبل چار دوسری ہو چکی ہیں۔'' ان کا ذہن کچھ بیان کرتے کرتے پھرنے لگا۔

''آپ کسی واقعے کا ذکر کر رہے تھے؟'' سپرنٹنڈنٹ خان نے کچھ اکتاہٹ سی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ، ہاں، تو میں کہہ رہا تھا کہ یہ واقعہ ۱۹۴۴ء کا ہے۔یعنی اس سال میں لندن سے ڈاکٹر ہاورڈ کارٹر کی ٹیم میں شامل ہو کر مصر گیا تھا۔ان دنوں میں آکسفورڈ میں زیر تعلیم تھا اور بس یوں ہی مجھے مصر کی سیاحت کا شوق چرا گیا تھا۔''

پروفیسر یاور مرزا یہ کہہ کر ٹہلتے ہوئے رکے اور انھوں نے تپائی پر رکھا ہوا برانڈی کا پیمانہ حلق میں انڈیل لیا۔

Akram Allahabadi

''یہ غیر ملکی شراب میری مرڈر روح کو گرما دیتی ہے۔اور ایسا جی چاہتا ہے کہ میں ایک بار پھر ان ویرانوں کی سیر کروں جہاں ہزاروں سال پرانی روحوں کے مسکن ہیں۔''

''شاید آپ چمگاڈروں کا ذکر کر رہے ہیں، پروفیسر؟''

محکمہ خفیہ کے سپرنٹنڈنٹ کان کا اسسٹنٹ سارجنٹ بالے جو ابھی تک خاموش تھا بول اٹھا۔پروفیسر گھوم کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔اس کی شخصیت اتنی بارعب تھی کہ بالے کو اپنی اس بے لگامی پر کچھ جھینپ سی محسوس ہونے لگی۔پھر پروفیسر خود ہی مسکرایا۔

''چمگاڈریں بھی زیادہ تر کھنڈروں اور ویرانوں میں ہی رہتی ہیں۔'' وہ اس کی بات رکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں ڈاکٹر ہاورڈ کارٹر کے ساتھ مصر گیا تھا۔خان صاحب، اس وقت کے مصر اور اب کے مصر میں حالاں کہ بہت فرق ہے، لیکن مصر کے تاریخی کھنڈرات، مصر کے احرام ابوالہول کے مجسمے اور کرناک کے معبد کے ستون آج بھی اسی طرح کھڑے ہوئے ہیں۔''

''واقعی مصر تاریخی اسرار کی سرزمین ہے۔'' پروفیسر نے یہ کہہ کر ایک اور پیگ لیا اور میز سے سگار دان اٹھا کر اس میں سے ایک سگار نکال کر ہونٹوں میں دبا لیا۔

''ہاں تو ڈاکٹر ہاورڈ کی سرگردگی میں ہماری ٹیم نے وہاں ۴۸۱ فٹ بلند اور ۷۵۵ فٹ بنیاد پر چوڑے احرام فیضہ کے قریب...'' پروفیسر نے سگار سلگانے کے لیے وقفہ لیا۔

''آپ کی مراد فرعون خوفوک مقبرے سے ہے؟'' خان نے اسے ٹوکا۔

''درست ہے۔میرا خیال ہے آپ بھی مصر کی قدیم تہذیب کی معلومات رکھتے ہیں۔'' پروفیسر نے مسکرا کر کہا۔

''تھوڑی بہت۔'' خان نے اب پروفیسر کے تذکرے میں دل چسپی لیتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''میں تو ایک ایسے شخص کو بھی جانتا ہوں جو اُن فرعونوں کی نسل سے ہے۔'' بالے بول پڑا۔ ''کیا واقعی؟'' پروفیسر چونک پڑا۔

''تم چپ رہو۔'' خان نے بالے کو گھورا۔

''دیکھیے پروفیسر، میں نے غلط کہا تھا کچھ؟'' بالے پروفیسر کی طرف دیکھ کر بولا۔

پروفیسر اس کا مطلب سمجھ کر مسکرایا۔

''اس میں شک نہیں کہ محکمہ پولیس میں ہر بڑا افسر چھوٹے افسر کے لیے فرعون نہیں تو فرعون صفت ضرور ہوتا ہے۔ میری نظروں سے ایسے واقعات بھی گزرے ہیں۔'' پروفیسر نے بالے کی تائید کی۔

''بدنصیبی ہے غریب ماتحتوں کی...'' بالے نے ٹھنڈی سانس بھری۔

خان نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔

''آپ احرام فیضہ تک پہنچے تھے۔'' خان نے پروفیسر کو یاد دلایا۔

''ہاں تو... ڈاکٹر کارٹر نے اس احرا کے قریب طوطن خامن کے مقبرے کو کھدائی کے لیے منتخب کیا۔ اور ہم نے ان ہی احراموں کے درمیان اپنا کیمپ قائم کر دیا۔'' پروفیسر پھر موضوع پر آ گیا۔

''یہ طولن خانم کون محترمہ تھیں؟'' بالے پھر سوال کر بیٹھا۔

''یہ آپ کے والدِ محترم تھے۔'' کان جھنجلا کر بولے۔ ''تم چپ نہیں بیٹھ سکتے؟''

''چپ بیٹھوں گا تو پروفیسر مجھے بھی کسی کی ممی سمجھ بیٹھیں گے۔'' بالے نے جواز پیش کیا۔

''نہیں، میں اتنا سمجھ دار نہیں ہوں۔'' پروفیسر نے کش لے کر کہا۔ ''ویسے آپ کی معلومات کے لیے میں یہ بتا دوں کہ وہ مصر کے سب سے طاقت ور فرعون اختاطون کا داماد تھا جو صرف دو سال حکومت کر کے مر گیا تھا۔'' پروفیسر نے بتایا۔

Akram Allahabadi

''پروفیسر، کیا بہتر نہ ہوگا کہ آپ اختصار سے کام لیں۔'' خان نے کلائی کی گھڑی دیکھ کر اس سے کہا۔

''اختصار یہ کہ اس احرام کو کھودنے پر اس کے اندر ایک بغیر دروازے والے تہہ خانے سے طوطن خامن کا تابوت برآمد ہوا۔ اس کی لاش ایک کے اندر ایک رکھے ہوئے ایسے چھ تابوتوں کے بعد ساتویں سونے کے تابوت میں رکھی ہوئی تھی۔ اوہ خدا، وہ منظر بھی کتنا عجیب تھا۔ زندگی میں پہلی بار ۱۳۴۱ سال قبل مسیح کی سوا تین ہزار برس پرانی لاش کو دیکھ کر ہمارے دل دھک سے رہ گئے۔ خود میرے تو پیر کانپنے لگے تھے۔ اس تابوت کے ساتھ اس احرام سے بہت سا قدیم مصری فرنیچر جو آبنوس سے ملتی جلتی ایک خوش بو دار لکڑی اور پتھر کا بنا ہوا تھا۔ قدیم مصری آرٹ بہت سے نمونے جو خادموں اور افسروں کی مورتیاں اور ظروف کی شکل تھے اور کئی صندوق، تخت اور چھڑیاں برآمد ہوئیں۔ یہ چھڑیاں غالباً فراعنہ مصر اپنے ہاتھوں میں شاہی علامتوں کے طور پر رکھتے تھے۔ ہم اس مقبرے کی ایک ایک دریافت پر انگشت بدنداں تھے اور ڈاکٹر ہاورڈ ان تمام پتھروں اور صندوقوں پر کندہ قدیم مصری خط تحریر کی عبارتوں کا ترجمہ کر رہے تھے، جو اس مقبرے اور طوطن خامن کی حکومت اور ۱۲ سال کی عمر میں اس کی موت سے متعلق تھیں۔''

''ہمیں اس زمین دوز تاریک اور بہت بڑی قبر جیسے مقام پر سخت دہشت محسوس ہو رہی تھی۔ مگر یہ خوشی بھی تھی کہ ہم نے دنیا کے لیے ایک بڑا اہم تاریخی عجوبہ دریافت کیا تھا۔ ساڑھے تین ہزار سال پرانی فرعون مصر طوطن خامن کی لاش....''

''اس کا سارا بدن، سر اور چہرہ پٹیوں سے ڈھکا تھا۔ مگر ہم نے صرف چہرہ ہی کھول کر دیکھا اور ڈر کر دور ہٹ گئے۔ ابھی ہم اس بھیانک مقام پر تذبذب و حیرت میں ہی مبتلا تھے کہ ڈاکٹر کی نظر اچانک طوطن خامن کے تابوت کے سرہانے کی طرف دیوار میں ایک پتھر پر کھدی ہوئی ایک ایسی عبارت پر پڑ گئی جسے پڑھ کر ایک بار تو اس کا چہرہ بھی زرد پڑ گیا اور ہم

تشویش سے انھیں دیکھنے لگے۔مگر وہ پھر جلد ہی سنبھل گئے اور انھوں نے مجھے اور اپنے ایک دوسرے شاگرد اسٹینلے اسمتھ کو وہ تابوت وہاں سے اٹھانے کو کہا۔ہم اس شرم سے کہ ساتھی ہمیں ڈرپوک نہ سمجھیں اپنے دلوں پر جبر کر کے طوطن خامن کے تابوت کو باہر ایک کشادہ جگہ میں نکال لائے۔ٹھیک اسی وقت ایک عجیب بات ہوئی جسے ہم سب کو خوف زدہ کر دیا۔'' یہ کہتے کہتے پروفیسر کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔خوف واذیت کی ملی جلی سی کیفیت۔وہ بولتے بولتے رک گیا۔

''طوطن خاں کو چھینک آ گئی ہو گی؟'' بالے زیرِ لب بڑبڑایا۔

''تمھیں یہ باتیں نا قابلِ یقین معلوم ہو رہی ہوں گی،لیکن تم خود اس وقت وہاں موجود ہوتے تو شاید فرطِ خوف سے تمہاری آدھی جان نکل گئی ہوتی۔'' پروفیسر نے کہا۔

''آپ جاری رکھیے،پروفیسر،یہ تو گدھے ہیں۔'' خان نے اس سے اصرار کیا۔

''تو ہمیں اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی ایک ان جانی سی نا قابلِ فہم زبان میں کچھ کہہ رہا ہو۔ہمارے کانوں نے وہ آواز سنی اور ہم نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔پھر چاروں طرف،مگر آواز دینے والا کوئی نظر نہ آیا۔ڈاکٹر کو خیال ہوا کہ ہمارے ساتھ جو مصری گائڈ اور ایک مصری سرکاری افسر آیا ہے،ممکن ہے ان میں سے کسی نے کچھ کہا ہو،مگر جب انھوں نے بھی انکار میں گردن ہلا دی تو ہم سوچ میں پڑ گئے۔''

''پھر لمحہ بھر بعد ہی اچانک ہمیں کچھ ایسی بھیانک چیخ سی سنائی دی جیسے کوئی بکرا کہیں ذبح کیا جا رہا ہو...اور اس وقت واقعی ہم سے ضبط نہ ہو سکا۔ہم اس طابوت کو وہیں چھوڑ کر بھاگ گئے اور سب کے سب باہر نکل آئے۔خود ڈاکٹر ہاورڈ بھی اس وقت خوف زدہ ہو گئے تھے۔بات ہی کچھ ایسی عجیب اور ڈراؤنی تھی۔ایک ہزاروں سال پرانے اور ہر طرف سے چنے ہوئے زمین دوز مقبرے میں ایسی بھیانک آواز جیسے کوئی قیدی روح چیخ رہی ہو۔''

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# فرعون کی روح

''ضرور اس فرعون کی روح ہی رہی ہوگی۔'' بالے نے آسیب زدہ شکل بنا کر کہا۔

''خدا جانے... مگر گمان غالب یہی ہے۔ کیوں کہ ہم نے جب اپنے کیمپ میں پہنچ کر ڈاکٹر سے طوطن خامن کے تابوت کے سرہانے دیوار کے پتھر میں کھدی ہوئی عبارت کے بارے میں پوچھا تو ڈاکٹر نے خود بھی خوف سے متاثر لہجے میں بتایا کہ وہ طوطن خامن کی بد دعا ہے۔ ہم ڈاکٹر ہاورڈ جیسے زندہ دل اور غیر وہم پرست آدمی کے منہ سے یہ الفاظ سن کر حیران رہ گئے، کیوں کہ وہ خود تذبذب کے ملے جلے تاثر کے ساتھ ادا کیے گئے تھے۔ 'کیا آپ ان واہیات باتوں پر یقین کرتے ہیں، ڈاکٹر؟' ڈکٹر کے ہی ایک منہ لگے انگریز اسسٹنٹ نے ان سے پوچھا۔ جس پر مصری گائیڈ غصے سے اس آدمی کو گھورنے لگا۔ اف، میں نے اس وقت اس کی آنکھوں میں ایک بڑی خوں خواری چمک دیکھی تھی۔''

'طوطن خامن کی بد دعا ضرور لگے گی۔' وہ بول پڑا۔ 'مقبروں اور ہزاروں سال پرانی روحوں کی ی سرزمین چھوٹی روایات نہیں رکھتی۔'

'کیا مطلب؟' ڈاکٹر ہاورڈ نے ہی اس سے پوچھا۔

'میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ فرعون کی روحیں جو ان احراموں میں قید ہیں جب آزاد ہوں گی تو دنیا میں تہلکہ مچ جائے گا۔' گائڈ کا لہجہ یہ کہتے ہوئے کچھ اور خوف ناک ہوگیا۔ پھر وہ اسی وقت اس احرام کی طرف رخ کر کے دوزانو ہوگیا اور ہم لوگ حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ خوف زدہ لہجے میں اپنی زبان میں کچھ بڑبڑا رہا تھا، جیسے وہ کوئی دعائیہ کلمے ہوں، لیکن اس کی زبان خالص عربی قطعی نہ تھی۔ یا ممکن ہے وہ ان کی کوئی قبائیلی زبان ہو جو وہ بول رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی چہرے پر زردی چھا گئی۔ اس نے اچانک ایک چیخ ماری اور

اوندھا ہو گیا۔

'ارے، اسے کیا ہو گیا، دیکھو کوئی؟' ڈاکٹر نے چونک کر کہا۔

اس پر میں اور ایک ہمارا ساتھی دونوں اسے بازوؤں سے اٹھانے کے لیے جھکے تو وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور ہمیں خوں خوار نظروں سے گھورنے لگا۔

'خبردار، مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ تمہارے ہاتھوں نے طوطن خامن کی لاش گھسیٹی ہے۔ تم نے مجھے گناہ گار بنایا ہے۔ اف، اے مقدس روح، مجھ معاف کرنا۔'

وہ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر گڑگڑایا اور پھر تیزی سے ہمارے خیمے سے نکل کر بھاگ گیا۔ ہم میں سے کچھ لوگوں نے اس کے پیچھے جانا چاہا تو ڈاکٹر نے روک دیا۔

'اسے جانے دو، ہمیں ایسے ضعیف الاعتقاد آدمیوں کا ساتھ نہیں چاہیے۔'

''ڈاکٹر نے ہمیں ہدایات کی اور ہم خاموش رہ گئے، لیکن یہ سچ ہے کہ واقعے نے ہمیں خوف زدہ کر دیا۔''

''اس رات ہمیں بہت برے برے خواب آئے۔ شاید اس وجہ سے کہ ہمارے ذہنوں پر وہی واقعات چھائے ہوئے تھے۔ کسی نے کسی کو قتل ہوتے دیکھا تھا۔ کوئی ایک مصری فرعون کے دربار میں گھسیٹا جا رہا تھا۔ کسی کی لاش گدھوں سے نچوائی جا رہی تھی، لیکن میں نے کیوں کہ طوطن خامن کے سنہرے تابوت میں اس کی لاش کے چہرے سے پٹیاں ہٹائی تھیں، اس لیے مجھے خواب میں خود طوطن خامن کا بھیانک چہرہ ہی آیا۔ وہ ایک ہاتھ میں ایک قرولی نما کوئی شے اور دوسرے ہاتھ میں ایک اژدھے کے سر والی سنہری چھڑی لیے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔''

یہ کہتے کہتے جیسے واقعی پروفیسر یاور مرزا کی آنکھیں اسے اپنے سامنے لگی ہوں۔ اس کا سارا بدن ایک خوف کی لہر سے کانپ گیا۔ اس کی یہ کیفیت خود خان نے بھی محسوس کی لیکن بالے تو اسے اس وقت خبطی ہی تصور کر رہا تھا۔

''پناہ خدا، کس قدر خوف ناک تھا اس کا چہرہ۔'' ڈاکٹر نے یہ کہہ کر اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔خان خاموش ہی رہا۔یہاں تک کہ پروفیسر اپنی کیفیت پر قابو پا کر خود ہی آگے کہنے لگا۔

''خواب میں طوطن خامن نے وہی الفظ دہرائے جو اس پتھر کے تکیے پر نقوش تھے۔'' روفیسر یاور مرزا نے بتایا۔

''آخر کیا الفاظ تھے وہ؟''

''مجھے نہ جگاؤ، کہ میں ایک لمبی میٹھی نیند سو رہا ہوں۔میرے قہر سے ڈرو، ورنہ میری بد دعا موت بن کر تمہارا پیچھا کرے گی۔'' پروفیسر نے کانپتی ہوئی سی آواز میں بتایا۔

''اور آپ لوگ اس بد دعا سے ڈر گئے ہوں گے؟''

''اس وقت تو ہم نے اس کی زیادہ پرواہ نہ کی اور دوسرے دن ہی طوطن خامن کی لاش کو تابوت سمیت مقبرے سے نکال لیا گیا، لیکن اس کے کچھ عرصے بعد جو واقعات رونما ہونے شروع ہوئے، انھوں نے ہمیں یہ یقین کرنے پر مجبور کر دیا کہ، طوطن خامن کی بد دعا، ضرور ہم پر اثر کر رہی ہے۔کیوں کہ انگلستان واپس لوٹتے ہوئے راہ میں جہاز پر ہمارا ایک ساتھی اچانک پاگل ہو گیا اور اس نے سمندر میں کود کر خودکشی کر لی۔ہمارے دلوں میں وہیں سے اس بد دعا کا کچھ خوف پیدا ہو چلا۔وجہ بھی صاف تھی، وہ طوطن خامن کی بد دعا کا مذاق اڑانے میں پیش پیش رہا تھا۔اور جس وقت وہ پاگل ہوا تھا تو، 'مجھے جینے دو'، چلا رہا تھا۔اس کے حلق سے ایسی بھیانک چیخیں نکلتی تھیں جیسے اسے کوئی مارے ڈال رہا ہو۔''

یہ کہتے کہتے شاید وہ منظر پروفیسر یاور مرزا کی آنکھوں میں گھوم گیا، کیوں کہ انھوں نے اپنی آنکھیں زور سے بھینچ لی تھیں۔

''خیر، یہ تو بتانا ضروری ہے کہ ڈاکٹر ہاورڈ کا کیا حشر ہوا۔''

''وہ بھی ساٹھ برس کے بوڑھے تھے، اس لیے مر گئے ہوں گے اور آپ سمجھے ہوں گے کہ طوطی خانم کے کوسنے سے لڑھک گئے۔'' بالے نے اظہارِ خیال کیا۔

Akram Allahabadi

بالے۔“ خان نے اسے ڈانٹا۔

”آئی ایم ساری، پروفیسر۔ مگر اس فرعون کا ٹیڑھا نام میری زبان پر نہیں چڑھتا۔“ بالے معذرت کرنے لگا۔

”تم بہت بہک رہے ہو آج۔“ خان نے اس پر طنز کیا۔

”میں ماحول کو خوش گوار بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھے ان ہزاروں سال پرانے فراعنہ کی لاشوں کے تذکروں سے وحشت ہوتی ہے۔“

”وحشت ہو رہی ہے تو باہر جا کر ٹہلو، گفتگو ختم ہوگی تو ہم تمہیں بلا لیں گے۔“ خان نے بے تعلقی سے کہا۔

”تھینک یو ویری مچ، میں تو خدا سے یہی چاہتا تھا۔“ جملے کا دوسرا ٹکڑا اس نے آہستہ سے ادا کیا اور چپکے سے باہر نکل گیا۔ باہر برآمدے میں تاریکی تھی اور دور زینے کے دروازے کے سامنے ایک مدھم بلب محدود سی روشنی پھیلا رہا تھا۔ پروفیسر کے بنگلے کے اس حصے میں گھنے درختوں والی پہاڑی تھی۔ دن کے وقت اس برآمدے سے اس سبز پوش پہاڑی کا منظر بہت دل فریب نظر آتا، مگر رات کے وقت اس کا سونا پن اور تاریکی میں درختوں کے لرزتے ہوئے سائے اسے اور بھیانک بنا دیتے۔ درخت ایسے لگتے جیسے ٹیلے پر بھوت کھڑے جھوم رہے ہوں۔ بالے نے سرد کھلی ہوا میں چند لمبی لمبی سانسیں لیں اور آنکھیں موند لیں۔ اچانک ایک نامعلوم سا خوف اس کی رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ جیسے کہیں واقعی طوطن خامن کی روح اس کے ارد گرد موجود ہے۔ اس نے سر کو جھٹک کر آنکھیں کھول دیں اور اسے یہ تاریک ویرانی ڈراؤنی سی معلوم ہونے لگی۔

”شش۔“ ایک سرگوشی کرتی ہوئی آواز سی اسے سنائی دی اور وہ اچھل پڑا۔ اس نے دوسرے لمحے گھوم کر دیکھا تو اس کے عقب میں ایک سفید سا سایہ موجود تھا۔ پہلے تو بالے کی رگ رگ میں چیونٹیاں سی رینگ گئیں، مگر جب اس نے غور سے دیکھا تو اسے ایک حسین چوکھٹا

Akram Allahabadi

سفید فریم میں چمکتا نظر آیا۔ وہ گول چہرے والی کوئی خوب صورت سی سفید رنگ لڑکی تھی۔ اور طوطن خامن کی روح تو لڑکی بن کر آنے سے رہی۔ اتنے میں وہ قریب آ گئی اور اس نے بڑی بے تکلفی سے ایک ہاتھ بالے کی پیٹھ پر جڑ دیا۔

''سناؤ یار، کیا حال چال ہیں؟'' اس کے منہ سے ایسے الفاظ سن کر بالے کی حیرت اور بڑھ گئی۔

''آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے شاید۔ میں تو ایک پردیسی مسافر ہوں۔'' بالے نے اس تاریکی میں اور غور سے اس کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

''جھوٹ، تم مسافر ہو ہی نہیں سکتے، تمہاری داڑھی کہاں ہے؟ گیانی گورمکھ سنگھ مسافر کی تو یہ لمبی داڑھی ہے۔'' اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر داڑھی کا سائز بتایا۔ ''مگر...'' یہ کہہ کر وہ اس کے چہرے کے قریب اپنا منہ لا کر اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ بالے کو اس کی یہ ادا دل فریب لگی کہ اگر وہ اجنبی نہ ہوتی تو...

''آچھ... چھیں...'' لڑکی کو چھینک آ گئی اور اس کی ناک سے چھینک بالے کے منہ پر پڑیں۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' وہ رومال سے اپنا منہ پوچھنے لگا۔

''ارے، تم کو تو پسینہ آ رہا ہے۔ چھی، ایسی بھی کیا شرم۔ چلو میں تمہیں ڈربے تک چھوڑ آؤں... آؤ... پوچ... پوچ...'' بالے کو آستین تھام کر اس نے گھسیٹا۔

''آپ کا دماغ تو خراب نہیں ہوا، مس؟''

''کیا نہیں ہوا ہے مس؟'' لڑکی نے اسے روشنی کی طرف گھسیٹ کر لاتے ہوئے پوچھا۔

''دماغ۔''

''دماغ کیا؟''

Akram Allahabadi

''خراب۔'' بالے نے اس کے حسین چہرے کو اب روشنی میں تیکھی سی نظروں سے تکتے ہوئے کہا۔

''مس آپ کا خود خراب۔'' وہ بڑے طفلانہ انداز میں ہاتھ جھٹک کر منہ پھلائے ہوئے بولی۔

''آپ کون ہیں؟'' بالے نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

''میں ۳۶۴۔۵۲۶۔۶۴۱ وغیرہ وغیرہ ہوں، فرمایئے؟''

''جی، میں اتنا نہیں ہوں، لیکن کچھ کچھ ضرور ہوں۔''

''کیا؟''

''۶۴۱۔''

''ارے تو تم ہو۔'' وہ تالی بجا کر ایک دم خوشی سے اچھل پڑی۔

''میں جانتی تھی کہ دنیا میں میرے سوا اور بھی کوئی ہوگا ضرور۔''

''کیا ہوگا؟'' بالے نے اس میں دل چسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''آسمان کی اولاد۔ میں طوفانِ نوح کے وقت آسمان سے ٹپکی تھی۔''

''کہاں؟'' بال نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

''یہ لو، اتنا بھی نہیں جانتے۔ ارے، فریئر روڈ پر ہی ٹپکی تھی اور کہاں ٹپکوں گی؟''

''میں تو کھجور میں اٹک گیا تھا۔'' بالے مسمسی سی صورت بنا کر بولا۔

''جب ہی تو اتنی دیر سے پہنچے۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔

''محترمہ، بس کیجیے اب۔ آپ مجھے گھس چکیں۔''

''تمہارا نام نامی اسمِ گرامی وغیرہ کیا ہے؟'' لڑکی پوچھنے لگی۔

''۴۱/۳۔''

''باپ بھی ہوئے ہوں گے؟''

Akram Allahabadi

"ہاں۔"

"میرے باپ کا نام x.۵ ہے۔ بہت بڑے کالے ہیں۔ان سے ملو گے تو کہیں گے تم پاگل ہو۔اچھا، کیا میں تمہیں پاگل لگتی ہوں؟" وہ بڑی محبوبانہ ادا سے لچک کر اس سے پوچھنے لگی۔

"کون کہتا ہے؟"

"میرے باپ کی برادری والے سبھی کہتے ہیں۔"

"وہ بھی گدھے ہوں گے۔"

"ارے، واہ واہ۔تم تو بہت عقل مند نکلے۔"

"آپ یہیں رہتی ہیں؟"

"معلوم نہیں۔"

"پروفیسر یاور مرزا سے آپ کا کوئی رشتہ ہے؟"

"ارے وہی تو x .۵ ہیں۔میں اور کیا اتنی دیر سے جھک مار رہی ہوں۔"

"یعنی وہ آپ کے باپ ہیں؟"

"نہیں، میں ان کی باپ ہوں۔آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"

"ہرگز نہیں، لیکن مجھے اب معاف کیجیے۔"

"تم مجھے بہت شریف الّو معلوم ہوتے ہو۔جی چاہتا ہے تمہیں سر پر بٹھا کے سارے شہر میں گھماؤں۔تافی کھاؤ گے، جے بی منگھا رام کی؟"

"میں آپ کو ہی کھا جاؤں تو کم از کم جان چھوٹے۔"

"ہائیں،تم مجھے کھاؤ گے؟" وہ اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔"یعنی تم...ارے کوئی بچاؤ..کوئی بچاؤ.." وہ حلق پھاڑ کر چیخنے لگی۔اور بالے گھبرا گیا کہ یہ کیا بلا گلے پڑی۔

لڑکی کی آواز سنتے ہی دروازہ کھول کر خان اور اس کے پیچھے پروفیسر یاور مرزا آگے

پیچھے برآمدے میں نکل آئے۔

''کیا ہے، بالے؟'' خان نے وہیں سے پوچھا۔

''ان محترمہ کو کچھ ہوگیا ہے۔'' بالے نے وہیں سے لڑکی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

اتنے میں لڑکی دوڑ کر پروفیسر سے لپٹ گئی۔

''پاپا، یہ مجھے کھانے آیا ہے۔ مجھے بچاؤ، پاپا، اس کھجور کے ٹپکے سے۔'' جواب میں پروفیسر اسے تھپکانے لگا۔

''یہ میری بیٹی بلقیس ہے۔ آج چار مہینے ہوئے اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے اور کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا۔''

''آپ اسے بھی طوطن خامن کی بد دعا کا اثر سمجھتے ہوں گے؟'' خان نے اس سے کہا۔

''مجھے تو اب اپنے ہر زوال میں اسی بد دعا کی جھلکیاں نظر آنے لگی ہیں۔'' پروفیسر یاور مرزا نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ پھر وہ بالے سے مخاطب ہوا۔

''اس کی حرکتوں کا برا نہ ماننا، اپنے ہوش میں نہیں ہے۔'' پروفیسر نے کہا۔

''جی، میں سمجھ چکا ہوں۔'' بالے نے کہا اور ہمدردی کی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''ان سے ملو، بیٹی۔ یہ ہمارے دوست ہیں، سپرنٹنڈنٹ خان صاحب اور ان کے اسسٹنٹ سارجنٹ بالے۔'' پروفیسر نے بڑے پیار سے اسے تھپکتے ہوئے ان لوگوں کا اس سے تعارف کرایا۔

''تو تم مجھے نہیں کھاؤ گے نا؟'' اس نے بڑ معصومیت سے بالے سے پوچھا۔

''نہیں، میں تو آپ کا دوست ہوں۔''

''ہشت، ایسی باتیں نہیں کرتے۔ دنیا میں جتنے ہیں سب آلو بخارے ہیں۔ کوئی

Akram Allahabadi

کسی کا دوست نہیں۔ مجھے موقع ملے تو میں سب سے پہلے تمہاری ناک کاٹوں۔'' وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''آؤ چلیں، بالے۔'' خان نے اس کی طرف توجہ دیے بغیر بالے سے کہا۔

''چلیے۔'' بالے تیار ہوگیا۔

''ارے، بھاگ رہے ہو؟ اچھا... جاؤ... میں تمہارے خواب میں آؤں گی۔'' بلقیس نے مایوسی سے کہا۔

خان پروفیسر سے رخصت ہونے لگا۔

''میں ان معاملات پر غور کروں گا، پروفیسر۔'' خان نے وعدہ کیا۔

''میں تو سمجھتا ہوں کوئی فائدہ نہیں۔ ڈاکٹر سید نے مجھے آپ کی رائے لینے کا مشورہ دیا تھا، اس لیے میں نے سب کچھ بتا دیا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ طوطن خامن کی بد دعا مجھے بالکل تباہ کیے بغیر نہ رہے گی۔'' پروفیسر کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''آپ اس قدر دل برداشتہ نہ ہوں، مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیجیے، ممکن ہے میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔''

''ناممکن بھی ہو سکتا ہے۔''

''میں ایسا نہیں سمجھتا۔''

''بہر حال میں آپ کا انتظار کروں گا۔''

''ضرور۔''

اس کے بعد خان اور بالے پروفیسر سے ہاتھ ملا کر نکل آئے۔ اور بلقیس بالے کو زبان چڑاتی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# ہائے ڈیوٹی

''پروفیسر یا ورمرزا اونچے آدمی معلوم ہوتے ہیں؟'' بالے نے لباس تبدیل کرتے ہی خان کا دماغ چاٹنا شروع کر دیا۔

''کیوں؟''

''ان کی لڑکی کم از کم ہندوستانی نسل کی تو نہیں معلوم ہوتی۔''

''کافی خوب صورت بھی ہے۔''

''ارے، یہ آپ کہہ رہے ہیں؟''

''کیوں، کیا خوب صورتی کی تعریف کرنا کوئی گناہ ہے؟''

''گناہ...؟ مائی باس، میں تو اس چوکھٹے پر سو سو جان سے قربان ہو گیا ہوں۔''

''پاگل ہے۔''

''یہ بھی ایک ادائے محبوبانہ ہے۔''

''ایسی ادائیں سینڈل کے ذریعے بھی نازل ہوا کرتی ہیں۔''

''تقدیر ہے اپنی اپنی۔''

''کیا مطلب؟''

''یعنی ...تقدیر میں سینڈلیں تو سینڈل ہی سہی۔'' بالے نے جلدی سے بات پلٹ دی۔

''زیادہ متاثر ہو گئے ہو، شاید؟''

''ہائے کون کافر ہے جو اس بت پر نہ قربان ہو گا؟''

''میں چوری کے شعر سننا پسند نہیں کرتا۔''

Akram Allahabadi

''بقلم خود عرض کروں؟''

''تمہارے خاندان میں بھی شاعر گزرا تھا کوئی؟''

''آپ کو مغالطہ ہو رہا ہے۔ غالب، میر، مومن، داغ اور عبدالرفو خان غم سب میرے ہی خاندان میں گزرے ہیں۔ اور با بدولت اب گزر رہے ہیں۔''

''رؤف تمہاری حرکتوں سے پریشان ہو گیا ہے۔ کل استعفٰے پیش کرنے والا تھا۔'' خان نے اسی خوش گوار موڈ میں کہا۔

''توبہ کیجیے، ہاتھی کی مونچھیں، آئی ایم ساری، ہاتھی کے دانت ہیں سب۔ آپ کا دم ہے تو عبدلرؤف خاں غم ہے، ورنہ کجا شاعری اور کجا محکمہ پولیس۔''

''کچھ بھی سہی، تم کو اس کی بزرگی کا احترام کرنا چاہیے۔''

''ان کی بزرگی بس ان کی بڑی بڑی مونچھوں تک ہی ہے، ورنہ وہ تو اپنی عمر خیر سے ۲۵ برس ہی بتاتے ہیں۔''

''اب تم اس کا تذکرہ لے بیٹھے، میں نے ایک بات کہی ہے۔''

''ہائے، آپ بھی کون سی بحر ثقیل میں کھینچ لائے۔ کہاں تذکرۂ بلقیس اور کہاں رفو بھائی۔''

''تمہاری ضرور شامت آ رہی ہے۔''

''میں اس وقت ڈیوٹی پر نہیں ہوں۔''

''نہیں، بیٹے۔ پروفیسر یاور مرزا کی حفاظت کا انتظام اور ان پراسرار حالات سے متعلق چھان بین کرنا سردست ہماری ڈیوٹی میں داخل ہے۔''

''تو کیا آپ بھی ان توہمات پر یقین رکھتے ہیں؟''

''ایسا ہوتا پھر چھان بین کا سوال ہی کیا تھا؟''

''مجھے دراصل وزیرِ ثقافت نے خاص طور سے ان کی طرف رجوع کیا ہے۔ ان کا

خیال ہے کہ روفیسر مرزا جو کچھ کہتے ہیں اس میں کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہے۔اور چند دنوں سے وہ ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں جیسے ان کا وقت آرہا ہے۔''خان نے جواب دیا۔

''بالفرض یہ صحیح بھی ہوتو آپ کو بھی طوطن خامن کی بد دعاؤں کا اثر رف کرنے کے لیے کوئی صاحب نزالہ پیر فقیر بننا پڑے گا۔''

''خیر وہ تو میں پھر سوچوں گا ہی،لیکن پروفیسر کو ڈر ہے کہ اس بار ان کی لڑکی یا ان کے چھوٹے لڑکے کی باری ہے۔اس سے پہلے ان کے تین لڑکے جوان ہوکر ختم ہو چکے ہیں۔ ان کی بیوی کی موت ہوئی۔ان کا بھائی مرا اور صرف پروفیسر کا ہی یہ حال نہیں بلکہ بالکل ایسے ہی واقعات ڈاکٹر ہاورڈ کارٹر کے خاندان کے ساتھ بھی پیش آئے ہیں۔''خان نے بتایا۔

''یعنی ان پراسرار موتوں کا سلسلہ انگلینڈ اور ہندوستان میں بیک وقت جاری ہے۔''بالے نے پوچھا۔

''نظر تو یہی آرہا ہے۔''

''پھر آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

''پروفیسر کے خاندان میں یہ تمام موتیں کسی بھی سال کے ایک مخصوص دن واقع ہوتی ہیں،یعنی ۱۳،فروری کو،اور آج ۱۱،فروری کی تاریخ ہے۔''خان نے کہا۔

''آپ کا مطلب ہے کہ اس سال بھی ۱۳،فروری کو کچھ ہونے والا ہے؟''بالے نے سوال کیا۔

''یقینی بھی نہیں۔ہوسکتا ہے کہ اس سال کسی اور کی باری ہو۔میرا مطلب ڈاکٹر ہاورڈ کے خاندان کے بچے کھچے لوگوں میں سے یا ان کی ٹیم کے کسی فرد کی۔''خان نے کہا۔

''کیا آپ کو ان کی بھی فکر ہے؟''

''فکر تو مجھے ہر اس آدمی کی ہوتی ہے جس کی جان مصیبت میں پھنسی ہو،لیکن...''

''قاضی جی سر دست دبلے نہیں ہو رہے۔''

''میں تمہیں اس فکر میں دبلا کرنا چاہتا ہوں۔''

''خاک سار کی سمجھ میں خاک نہیں آیا۔''

''تم پروفیسر اوران کے لڑکے اور لڑکی کی نگرانی کرو۔''

''کمال ہے، یعنی ہوا میں تیر چلائے جائیں۔''

''ایک انسان کی جان کی قیمت تمہاری زندگی بھر کی تنخواہ سے زیادہ ہی ہوتی ہے، برخوردار۔ اگر ہماری غفلت میں وہاں کوئی سانحہ ہوگیا تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟''

''قدرت پر۔''

''بشرطیکہ موت قدرتی ہو۔ اور میں یہی دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ بد دعاؤں کا چکر کیا ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں آپ کا ذہن بھی ان روایات کو ماننے نہ ماننے میں الجھا ہوا ہے۔'' بالے نے خان کے چہرے کو گور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ دراصل میں ایسی نا قابلِ تسلیم باتوں کی حقیقت جب تک نہ جان لوں مجھے ذہنی سکون نہیں ملتا۔''

''خیر، آپ کے ذہنی سکون کی خاطر بندہ یہ ڈیوٹی دینے کو تیار ہے۔''

''اور تم کو خفیہ طور پر یہ خدمت انجام دینی ہوگی۔''

''کیا ملک الموت بھی پولیس والوں سے کتراتا ہے؟''

''ہوسکتا ہے، معقول انتظام دیکھ کر وہ کوئی اور دروازہ جھانک لے۔''

''بہتر ہے، لیکن اکیلا جاؤں یا کسی کو ساتھ بھی لوں؟''

''گھر سے باہر ان لوگوں کی نگرانی کے لیے میں علاحدہ علاحدہ رؤف اور احمد نبی خان کی ڈیوٹی لگا رہا ہوں۔ تم پروفیسر کے گھر کے افراد سے قریب رہ کر ان کی نگرانی کروگے۔'' خان نے ہدایت کی۔

Akram Allahabadi

''پروفیسر کے پاس دولت کتنی ہے؟'' بالے نے سوال کیا۔

''اوہ، یہ بات نہیں معلوم ہوتی، ورنہ ان اموات کے لیے اتنی مدت درکار نہ ہوتی۔ ویسے پروفیسر کافی مال دار آدمی اور خاندانی رئیس بھی ہیں۔''

''بہتر ہے۔ میں اپنی ڈیوٹی سنبھالے لیتا ہوں آپ چین کی نیند سویے۔''

''میں تمہارطرح آرام طلب نہیں ہوں۔ مجھے ان دنوں میں ڈاکٹر ہاورڈ کے اس مشن سے متعلق تمام حالات معلرم کرنے یں، بلکہ ممکن ہے اگر ضرورت پڑی تو ہمیں کوئی لمبا سفر بھی کرنا پڑے۔''

''ہوگا تو اسی دنیا کی حدود میں؟''

''کیا پتا طوطن خامن کی بد دعا ہمیں بھی لگ جائے۔''

''تو ہم بھی دس بیس عمر رسیدہ بوڑھوں کو جمع کر کے طوطن خانم کو ایسے ایسے کوسنے دلائیں گے...ایسے ایسے...''

''بس بس، ابھی انگلیاں نہ توڑنے لگنا۔''

''لوحول ولاقوۃ، میں تو بد دعا کا جواب بد دعات سے دلا رہا تھا۔''

''اس وقت دماغ نہ چاٹو، میں کافی تھکا ہوا ہوں۔''

''ویری ویل، سر۔شب بخیر۔''

بالے اٹھ کر چل دیا اور خان نے صوفے پر پیر پھیلا دیے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# عشق مسق

''اخا، میاں تم کاں سے ٹپک پڑے۔ یانی مان نہ مان میں تمارا میمان۔'' شوکت نے بالے کی صورت دیکھ کر کہا۔

''تمہارا مہمان، تمہارے باپ کا مہمان۔'' بالے بے تکلفی سے کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ شوکت اس وقت اپنے آفس میں تنہا ہی تھا ورنہ بالعموم اپنی نئی لیڈی سکریٹری اس کے سر پر ہی چڑھی رہتی تھی۔

''اے لو، یہ دفتر ہے، کوئی نواب بھوپال کا شاہی مہمان خانہ نہیں ہے۔''

''میں مہمان خانہ ہی فرض کیے لیتا ہوں۔''

''اے لو، یانی باپ کا ای راج ہے جیسے۔ ارے ہاں، تم ابھی میرے باپ تک کائے کو پونچے تھے۔'' شوکت کو بالے کا جملہ یاد آ گیا۔

''پہنچنا تو دور، میں نے تو ان کا چوکھٹا تک نہیں دیکھا۔''

''میاں خاں، ادب سے بات کرو۔ میرے باپ کی بات ہے۔''

''اچھا جاؤ تمہاری قبلہ جناب والد صاحب کی جے، بس خوش۔'' بالے ہاتھ اٹھا کر بولا۔

شوکت ہنس پڑا۔ ''مگر تم اتے دن کاں مرے تھے؟''

''کیوں، کوئی خاص بات ہوگئی کیا؟''

''تم کو کیا، کوئی مرے کہ جیے۔''

''یہ آج عورتوں جیسے نخرے کیوں ہو رہے ہیں آخر؟''

''تم خدا ورت، میاں خاں۔ لاحول ولاقوۃ، یہ بھی کوئی مزاخ ہوا یانی۔''

Akram Allahabadi

''اچھا بات کیا ہے آخر، وہ بتاؤ؟''

''بات مات کوئے کی، وہی سالی اپنی لیدی سکریٹری والا ماملا ہے۔''

''کیوں، کیا عاشق ہو گئی ہے؟''

''اور نئیں تو کیا، اللہ قسم۔''

''تو اس سے بڑھ کر خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے تمہاری۔''

''میاں خاں، اصل میں وہ اپنی...'' شوکت بالے کے پاس منہ لا کر سرگوشی کے لہجے میں بولا۔

''وہ بنا چاہتی ہے۔''

''وہ یعنی محبوبہ؟''

''اور لو، یاد کرو ہجے اور مائنے۔ میبو بالیسی کو کہتے ہیں کیا؟''

''تو پھر کیا کہتے ہیں؟''

''میبو با تو، میاں خاں، وہ ہوتی ہے۔'' شوکت ٹھنڈی سانس بھر کر چھت کو تکتے ہوئے بولا۔

''جس کے لیے اپنا دل ٹرپتا ہو، یانی اپن خد جس سے موجت کریں۔'' شوکت نے بتایا۔

''بڑے تجرنہ کار ہوتے جا رہے ہو آج کل۔'' بالے نے اس پر طنز کیا۔

''اور نئیں تو کیا، یانی اتی بھوت سی موجتیں کر کے بھی تجرنہ نئیں آئے گا اب۔''

''اچھا خیر، تو تمہاری لیڈی سکریٹری نے کیا کیا؟''

''بس چالی چاروں ہات پاؤں سے عاشق ہو گئی ہے اپنے بینک بیلنس پر۔''

''یہ کون سی بڑی بات ہے۔ آخر وہ بھی تو عورت ہی ہو گی جس سے تم شادی کرو گے۔''

Akram Allahabadi

"اے لو،کون پھنستا ہے اس جی کے جنجال میں ۔لاحول ولاقوۃ ۔میاں خاں، اپن تو لنڈورے ہی بھلے۔"

"اچھا میں تمہاری لیڈی سکریٹری کو سمجھا دوں گا۔"

"کیا سمجھا دو گے؟"

"یعنی وہ تم جیسے نامعقول آدمی سے عشق نہ کرے۔"

"تم خدا نا قول،میاں ۔ور تم اس کو بولنا مولنا نئیں کو چھ۔"

"کیوں؟"

"ارے یانی وہ شیر ہے نا اسد اللہ خاں میاں کا یانی، چھیڑ چھاڑ خوب ان سے چلی جائے اسد ۔اور اگر میاں اصل وصل نئیں تو لذت ای ئی۔" شوکت نے کسی قدر جھینپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چہ خوش نہ چت میری نہ پٹ میری۔"

"میاں خاں، دونوں میری ۔تم سالے کون ہوتے ہو دخل دینے والے۔"

"یار تم آدمی ہو یا اخروٹ، یعنی جو بات کرو گے الٹی ہی کرو گے۔"

"ہاں جاؤ ۔میری خشی الٹی کروں کہ سیدھی ۔جاؤ، میں تم سے اپنا غمِ دل بھی نئیں کہتا ۔اب بولو کائے کو مرے ہو آج؟"

"میں نے تو سوچا تھا کہ تمہارا غم غلط کرنے کے لیے تھوڑی سی تفریح کرا دوں۔"

"کائے کا غم ،یانی کون سا؟"

"وہ تمہار سکریٹری جو تمہیں کھائے جا رہی ہے۔"

"ارے ہاں، مگر چلو گے کدھر؟ کہیں پکنک ملنک کچھ۔"

"ایک انتہائی حسین لڑکی ہے، دیکھتے ہی شہیدِ موحبت ہو جاؤ گے۔"

"اللہ قسم۔"

Akram Allahabadi

''چل کر دیکھ لو، لیکن اس کی ایک عجیب شرط ہے جو وہ پوری کر دے بس اسی پر مر مٹے گی۔''

''یانی یہ بھی سالا کوئی حاتم بھائی کے سوالوں والا معاملہ ہے؟''

''حاتم طائی۔''

''ایک ہی بات ہے۔ اچھا، تو کیا شرط ہے اس ماہے لقا کی؟'' شوکت نے موڈ میں آ کر پوچھا۔

''وہ عجیب عجیب سی پاگلو جیسی حرکتیں کر کے امیدوار کو آزماتی ہے۔ اور جو اس کی آزمائش میں کامیاب اتر گیا، وہ اس سے شادی کرے گی اور جو ہار گیا اسے شرط کے مطابق سو ••اجوتے کھانے پڑیں گے۔'' بالے نے بتایا۔

''مگر ہار گئے تو، میاں خان، اپنی تو بھوت بھد ہو جائے گی۔''

''اس کا بھی علاج ہے۔''

''ارے تو بولو نا، یار۔''

''تم اصلی شکل میں چلنا ہی نہیں، حلیہ بدل کر چلنا۔ میں میک اپ کر دوں گا۔ اگر جیت گئے تو پھر شادی کر کے اپنا اصل چوکھٹا دکھا دینا اور ہار گئے تو بے عزتی بھی نہ ہوگی۔ لوگ سمجھیں گے کہ کوئی ہوگا بے چارہ۔''

''مگر جوتے کدھر پڑیں گے، سر پر یا کنپٹیں اور؟''

''جوتے سر پر ہی پڑیں گے، شرط کے مطابق۔''

''اے لو، تو سو جوتوں میں تو اپنا سر سالا پراٹھا ہو جائے گا؟''

اس کا بھی انتظام میں کر دوں گا، تو ابا ندھ دوں گا سر پر، پگڑی کی آڑ میں چھپا رہے گا۔'' بالے نے اسکیم بنائی۔

''یار، کوئی چکر مکر تو نہیں ہے تمہارا؟''

Akram Allahabadi

''خود دیکھ لینا۔ وہ تو میں اس لیے بول رہا ہوں کہ اس طرح تم وہاں گھس بھی سکو گے، ورنہ ہر کوئی اندر نہیں جا سکتا۔''

''یانی پرائیوٹ ماملا ہے؟''

''بالکل۔''

''کوئی خطرہ مطرہ تو نہیں ہے؟''

''بالکل نہیں، میں جو ساتھ ہوں۔''

''تو پھر تم، سالے، کائے کو نہیں کر لیتے۔'' شوکت کی کھوپڑی اچانک لاجک ہو گئی۔

''ہم پولیس والوں کی بد قسمتی ہے۔'' بالے ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

''میں سمجھا نہیں؟''

''ہمارے یہاں جو نیا آرڈر آیا ہے اس کی رو سے کوئی پولیس والا شادی نہیں کر سکتا۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ کیوں کہ پولیس والوں کی زندگی ہمیشہ خطرے میں ہے، اس لیے گورنمنٹ نے قانون بنایا ہے کہ پولیس والوں کو شادی کرنا منع ہے، تا کہ نہ وہ شادی کریں گے اور نہ بیواؤں اور یتیموں کی تعداد بڑھے گی۔''

''یانی پولیس والوں کی یتیم بیوائیں؟''

''بیوائیں اور بچے۔''

''اللہ قسم بھوت اچھا قانون ہے۔ لو اور آنکھیں لڑاؤ، سالے، ادھر۔''

''اسی لیے تو تمہارا نمبر لگا دیا ہے۔''

''مگر خان صاحب تو شادی شدہ ہیں؟'' شوکت کی کھوپڑی بھٹکنے لگی۔

"اس معاملے میں ان کی ٹانگ کہاں گھس گئی؟"

"مجھیں، یانی تمارا وہ قانون؟"

"وہ کنواروں کے لیے ہے۔ شادی شدہ افسروں کے لیے گورنمنٹ نے بیوہ گھر اور یتیم خانے قائم کر دیے ہیں۔"

"سچ سچ... بڑی دردناک نوکری ہے، سالی۔"

"نوکری جو ٹھہری۔"

"میں سو بار کہہ چکا ہوں کہ لانت بھیج کے اس پر میرے پاس آ جاؤ، میں تمہیں اپنے منشی جی کا بھی باپ بنا دوں گا۔"

"کیوں، کیا منشی جی بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے؟"

"اے لو، میرا مطلب ہے کہ ان سے بڑا منیجر یانی جنرل منیجر۔"

"خیر، وہ تو پنشن لے کے بعد سوچوں گا۔ تم یہ بتاؤ چلنا ہے یا میں کسی اور کو امیدوار بنا دوں؟" بالے نے اسے دھمکی دی۔

شوکت کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اس نے اثبات میں گردن ہلا کر کہا۔

"چلتا ہوں، مگر اپن کو عشق مجیں ہوا تو واپس آ جائیں گے۔"

"تمہارے تو فرشتو کو بھی عشق ہو جائے گا، ذرا ایک جھلک تو نظر آ جائے۔"

"سچ مچ اتی حسین ہے سالی؟"

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، تمہیں آنا ہے تو آؤ ورنہ میں چلا۔" بالے نے مصنوعی غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اے لو میاں خاں، ناراض ہی ہونے لگے۔ ارے چل تو رہا ہوں۔" شوکت بھی اٹھا لیکن اسی وقت اسے چھینک آ گئی۔

"لو جیں سے بدشگون، سالا۔"

Akram Allahabadi

''یہ سب فضول باتیں ہیں۔''بالے نے تسلی دی۔

مگر بدشگونی وہیں ظاہر ہوگئی۔ابھی دوقدم ہی بڑھا تھا کہ دروازہ کھلا اوراس کی لیڈی سکریٹری آ پہنچی۔وہ ہاتھ میں رومال لیے ہوئے تھی۔

''آپ کو چھینک آئی تھی،باس؟''

''ہاں،جاؤ آئی تھی،تمہیں کیا۔''شوکت بگڑ گیا۔

''نہیں،باس،آپ کو ضرور سردی کا اثر ہوا ہے۔کم ازکم زکام تو ہو ہی جائے گا۔یہ لیجیے رومال ناک پر رکھیے میں ابھی ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔''یہ کہہ کر وہ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر رومال زبردستی اسے تھما کر باہر نکل گئی۔

''دیکھا تم نے۔''شوکت نے بالے کی طرف دیکھ کر منہ بنا کر کہا۔

''کتنی وفادار اور ہم درد ہے۔''بالے نے اسے اور چڑایا۔''بے چاری صرف تمہاری چھینک پر ہی تڑپ اٹھی۔''

''میاں،یہ سب بینک بیلنس کی ہم دردی ہے۔چلو،اپن اس دروازے سے نکل چلیں۔وہ سالی ڈاکٹر کو ضرور بلائے گی۔''

شوکت نے پچھلا دروازہ کھول لیا اور بالے کو بھی گھسیٹ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

سپرنٹنڈنٹ خان اس وقت اپنے سادہ لباس میں اکیلا ہی تھا۔اپنی کار اس نے میوزیم کے کمپاؤنڈ کے باہر ہی رکھی تھی اور خود ٹہلتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔اس کی لاپرواہی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یوں ہی تفریحاً آ گیا ہے۔شام کا وقت تھا اس لیے میوزیم میں کافی بھیڑ بھاڑ تھی۔نچلے ہال سے گزر کر وہ سرسری نظر چاروں طرف ڈالتا ہوا پہلی منزل پر پہنچ گیا۔یہاں داہنی سمت اندر کی طرف ایک بڑا ہال تھا جس میں قدیم مصر کے کچھ تاریخی آثار

رکھے ہوئے تھے۔اسی کے دوسرے حصے میں کچھ لوگ بھیڑ لگائے کھڑے اس ممی کو دیکھ رہے تھے جو مصر کے کسی فرعون کی تھی۔یہ بہت پرانی اور خستہ حالت میں تھی۔مگر تابوت پر چمکتا سفید روغن اب بھی کہیں کہیں نظر آتا تھا۔خان نے اس ممی کے سرہانے اسٹینڈ پر لگی ہوئی پیتل کی پٹی پر نظر ڈالی۔اس پر لکھا تھا،'طوطن خامن کے مقبرے سے حاصل کیا گیا پانچواں تابوت جس کی دو تہوں میں طوطن خامن کی لاش ۳ ہزار سال سے سوئی ہوئی تھی'،اس کے نیچے لکھا تھا،'دریافت ڈاکٹر ہاورڈ ۱۹۲۲ء پیش کردہ پروفیسر یاور مرزا برائے انڈین سوسائٹی آف آرکیالوجیکل ریسرچ'۔

خان نے ایک نظر آس پاس کھڑے ہوئے لوگوں پر ڈالی اور پھر وہاں سے ہٹ کر دوسری طرف چلا گیا۔دور ایک قدیم مصری صراحی کے نزدیک کھڑے ہو کر وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی تمام تر توجہ اسی صراحی پر مرکوز ہے،لیکن آنکھوں کے سروں سے وہ کبھی کبھی اس بھیڑ کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا جو کبھی جمع ہوتی پھر چھٹ جاتی۔پھر کچھ نئے لوگ آتے غور سے اس ممی کو دیکھتے جو دراصل فرعون کی ممی کا تابوت تھا اور ممی کی شکل کا ہی بنایا گیا تھا۔پھر ان لوگوں کے ہٹتے ہٹتے دوسرے آجاتے۔

دو ایک بار وہ اس جگہ سے ہٹ کر پھر اس ممی کے قریب آیا اور اسے تعجب سے دیکھتے ہوئے چہروں کا جائزہ لے کر پھر ٹہلتا ہوا دور چلا گیا۔

یہاں تک شام ہو گئی اور برقی قمقمے روشن ہو گئے۔بھیڑ چھٹتی چلی گئی اور جب اسے ایک بھی آدمی اس ہال میں نہ دکھائی دیا تو وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر نکل آیا۔

☆☆☆☆☆☆

''کون صاحب ہیں؟''

Akram Allahabadi

''ایک موٹے سے آدمی ہیں، داڑھی مونچھیں بھی ہیں۔ایک اور صاحب ساتھ میں ہیں۔''

''مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟''

''کہتے ہیں کسی خان صاحب نے بھیجا ہے۔''

''خان صاحب نے؟ ارے بھئی، شہر میں تو ایک لاکھ چھپن ہزار خان صاحب لوگ ہیں، آخر کسی قسم کے خان صاحب ہیں وہ جنہوں نے بھیجا ہے؟'' پروفیسر نے جھنجلا کر کہا۔

''میں نے پوچھا نہیں، حضور۔'' نوکر ڈر کر بولا۔

''لاحول ولاقوۃ۔ ہزار بار کہا کہ مجھے کوئی ادھوری بات آ کر نہ کہا کرو۔'' پروفیسر نے سر کو جھٹک کر کہا۔

''ابھی پوچھ کر آتا ہوں، حضور۔'' نوکر جلدی سے باہر نکل گیا۔لیکن ایک منٹ بعد ہی وہ گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا۔اس کے پیچھے پیچھے ایک ریش دراز بزرگ غصے میں ڈنڈا پھٹکارتے چلے آ رہے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ ایک سعادت مند نوجوان جو بار بار ہاتھ جوڑ رہا تھا۔ پروفیسر کا بوڑھا ملازم بھی کچھ مرعوب اور خوف زدہ سا نظر آ رہا تھا۔

''ابے مردود، کیا سمجھ کے تو ہم سے سوال کر رہا تھا۔کوئی ایسے ویسے یا فی اٹھائی گیرے ہیں۔'' وہ ڈنڈا فرش پر بجاتے ہوئے فرما رہے تھے۔ پروفیسر کچھ ناخوش گوار سے موڈ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''حضور، اب معاف بھی فرمایئے، وہ بے چارہ آپ کی ذاتِ گرامی کو کیا جانے۔'' نوجوان نما آدمی ہاتھ جوڑ کر انہیں سمجھا رہا تھا۔

یہ سالا ہماری ذاتے گرامی کو کیں جانتا تو ہم جنوائیں گے اس کو۔'' باریش بزرگ کا غصہ بدستور رہا۔

''کون ہیں آپ لوگ؟ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں؟''

''اے لو، یانی اب یہ بھی بتاؤ انھیں۔'' باریش بزرگ نے اپنے ساتھی سے کہا۔

''ارے، آپ قبلہ حضور جناب شامت شاہ قلندر پیر سے واقف نہیں؟ جناب، ان کے نام سے تو شیطان کی روح کانپتی ہے۔'' نوجوان ساتھی نے باریش موٹے آدمی کا تعارف کرایا۔

''اور نہیں تو کیا۔'' پیر صاحب نے خود اپنے مرید کی تائید کی۔

''لیکن یہاں انسان بستے ہیں، پیر صاحب۔'' پروفیسر سنجیدگی سے بولا۔

''غلط ہے، یاں کسی شیطان کی روح بھی موجود ہے اور ہم اس سے کشتی لڑنے آئے ہیں۔'' پیر صاحب اکڑ کر بولے۔ پروفیسر ان دونوں کو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''مگر آپ کو اس گھر کا راستہ کس نے بتا دیا؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''لو بولو اب۔'' پیر صاحب اپنے چیلے سے مخاطب ہوئے۔ ان کے چیلے نے حفظ ماتقدم کے طور پر ادھر ادھر دیکھا پھر دبے لہجے میں بولا۔

''آپ کا یہ نوکر نمک حرام تو نہیں ہے؟''

''کیا مطلب؟'' پروفیسر نے چونک کر پوچھا۔

''مطلب یہ ہے کہ بات ذرا راز کی ہے۔''

''کوئی حرج نہیں ہے، وہ میرا بہت پرانا اور بھروسے کا ملازم ہے۔'' پروفیسر نے منہ بنا کر کہا۔

''ہمیں خان صاحب نے بھیجا ہے۔'' پیر صاحب کے مرید نے آہستہ سے کہا۔

''وہی تو میں نے پوچھا تھا کہ کون سے خان صاحب نے۔'' پروفیسر پھر جھنجلا گیا۔

''وہ پولیس کے سپرنٹنڈنٹ ہیں۔'' مرید پھر آہستہ سے بولا۔

''اوہ، حضور خاں کہیے، لیکن آپ کو کیوں بھیجا ہے انھوں نے؟''

''آپ بھی عجیب پروفیسر ہیں، جناب۔ میں نے عرض کیا نا کہ قبلہ حضور شامت شاہ

قلندر نا پاک روحوں اور وغیرہ وغیرہ کی مرمت کرنے میں اپنے دور کے ڈاکٹر آف جھاڑ پھونک مانے جاتے ہیں۔یعنی،اب میں آپ کی زبان میں کیسے سمجھاؤں؟''

''لاحول ولاقوۃ۔خان صاحب کو بھی یہ کیا سوجھی۔ مجھے کیا انھوں نے اٹھارویں صدی کا کوئی جانور سمجھا ہے۔''پروفیسر کو موڈ بگڑ گیا۔''کمال کیا ہے انھوں نے بھی۔''

''آپ پیر شامت شا قلندر کی شان میں گستاخی فرما رہے ہیں، پروفیسر صاحب۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ خان صاحب نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی انھیں یہاں بھیجا ہوگا۔''پیرو مرشد کے مرید نے انھیں سمجھایا۔

''خیر،فرمایئے آپ کیا چاہتے ہیں؟''پروفیسر نے کچھ رک کر پوچھا۔

''ہم بھوت بھگانا چاہتے ہیں۔''

''بھوت،کس کا؟''

''تتن خان کا۔''پیر صاحب نے فرمایا۔

''لاحول ولاقوۃ۔''مرید زیرِ لب بڑبڑایا۔''طوطے کی طرح رٹایا اور پھر وہی۔''

''شاید خان صاحب نے آپ کو کچھ بتایا ہے۔''پروفیسر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''جیاں،انھوں نے کہا ہے کہ آپ کے گھر میں اگر کوئی بد روح سمائی ہوئی ہے تو میں اس سالی کو دوسری دنیا کا رستہ دکھا دوں۔الحمدللہ۔''پیر صاحب نے جملہ ادا کر کے موٹی سی عربی بولی۔

''عجیب مصیبت ہے۔سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ میرے لیے کیا کر سکتے ہیں؟''

''میں چلہ کھینچوں گا اور وہ وظیفے پڑھوں گا کہ حافظ زیارت علی بھی دم دبا کے بھاگیں گے۔''پیر صاحب نے پر جوش انداز میں ایک ہاتھ کا گھونسا بلند کر کے کہا۔

''یہ حافظ زیارت علی کون بزرگ ہیں؟''پروفیسر نے اپنا موڈ خوش گوار بنا کر ان

کے مرید سے پوچھا۔

''وہ ہمارے قبلہ پیر صاحب سے بھی دو جوتے آگے ہیں۔'' مرید نے بتایا۔

''بھوپال کے سب بھوت ان کے نام سے بھاگتے ہیں۔''

''خیر، آپ لوگ یہاں تشریف رکھیں۔ میں ذرا خان صاحب سے اس ستم ظریفی کا سبب پوچھ لوں۔'' پروفیسر نے کہا۔

''اے لو، یا نی یہ ستم ہوا کیا کہ ہم کو انھوں نے آپ کی مدد کو بھیجا۔ لاحول ولاقوۃ الا بلا۔ میاں طفیلی، یہ تو وہی حاتم بھائی والی بات ہوئی یا نی نیکی کر اور دریا میں ڈال۔''

''حاتم طائی، پیر و مرشد۔'' مرید نے یاد دلایا۔

''ہیں، حاتم بھائی۔ وہ ہمارے بھائی تھے یا نی وہ بھی بزرگ ہم بھی بزرگ۔'' پیر صاحب نے فرمایا۔

''بے شک بے شک، اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔'' مرید نے جلدی سے کہا۔

''انکار کوئی کر کے تو دیکھے۔ وہ چلا پڑوں گا کہ سالا شیخ چلی بن جائے۔''

پیر صاحب نے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ پروفیسر نے ان کی گفتگو پر مزید دھیان نہیں دیا۔ وہ انھیں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں خان کو فون کرنے چلا گیا اور اس کا نوکر وہیں کھڑا رہا۔ وہ پیر حب کی تعریفیں سن کر بہت عقیدت مند ہو گیا تھا۔ آخر آگے بڑھ کر اس نے پیر صاحب کا دامن تھام لیا۔

''حضور، مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ اتنے بڑے پیر بزرگ ہیں۔ میری غستاقی ماف کر دیجیے، حضور۔'' پروفیسر کے نوکر نے لجاجت سے کہا۔

''کیا خیال ہے، میاں طفیلی؟'' پیر صاحب نے مرید سے پوچھا۔

''اب کر بھی دیجیے معاف۔ دعائیں دے گا آپ کو۔''

''اچ چھا جاؤ... ماف کیا، بیٹا۔ مگر آئندہ را ایتیات وسلوات دونوں۔'' پیر صاحب

ہاتھ اٹھا کر اسے برکتیں بخشتے ہوئے بولے۔

''حضور، میں بہت غریب آدمی ہوں۔ میرے لیے کچھ دعا فرما دیجیے۔'' وہ گلے پڑ گیا۔

''اچھا اچھا فرمائیں گے فرصت میں۔'' پیر صاحب نے وعدہ کیا۔

اتنے میں پروفیسر یاور مرزا واپس آ پہنچے، وہ مسکرا رہے تھے۔ انھوں نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا پھر نوکر سے بولے۔

''شکور، دیکھو، پیر صاحب اور ان کے مرید صاحب ہمارے مہمان رہیں گے، ان کے ٹھہرنے کا انتظام کر دو۔ خیال رکھنا ذرا بھی تکلیف نہ ہونے پائے ان بزرگوں کو۔''

پروفیسر کے اس حکم کے ساتھ شکور کا اعتقاد اور جم گیا۔ وہ فوراً ہی بھاگا بھاگا ان بزرگ مہمانوں کے قیام و سہولتوں کا انتظام کرنے چلا گیا۔

''اچھا، اب مجھے اتنا بتا دیجیے کہ آپ میں سے بڑے پیر کون ہیں اور چھوٹے کون؟'' پروفیسر نے نوکر کے جانے کے بعد پوچھا۔

''اے لو، یانی آپ کو اتی بڑی داڑھی نظر نئیں آئی۔'' پیر صاحب نے بیک وقت اپنی ریش دراز اور توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں، بڑے یہی ہیں۔'' مرید نے جلدی سے بول پڑا۔

''میں سمجھ گیا۔'' پروفیسر مسکرایا۔ ''اچھا، اس وقت تو آپ لوگ آرام کیجیے، میں ذرا آفس تک جا رہا ہوں۔'' رخصت طلب انداز میں پروفیسر یہ کہہ کر پھر چلا گیا اور پیر صاحب اس کی اس تبدیلی پر اپنے مرید کی صورت دیکھنے لگے۔

''خان صاحب کے پیٹ میں بھی کہیں پچتا ہے، بتا دیا ہوگا۔'' مرید نے کہا۔

''تو پھر اپن بھاگیں یاں سے؟''

''نہیں، اب تو جم کے رہیں گے۔ اب تو پروفیسر کو اطمینان ہو گیا ہے۔''

Akram Allahabadi

''ارے مگر وہ کاں ہیں تماری وہ۔یانی چندے قتابہ چندے مائتا بہ۔'' پیر صاحب نے ادھر ادھر نظریں دوڑا کر پوچھا۔

''گھبراؤ نہیں، بس اب مڈبھیڑ ہونے ہی والی ہے۔'' مرید نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہائے...'' پیر صاحب نے سرد سانس بھری۔''یانی وئی شیر ہوا یہ تو کسی شائر کا کہے

اب جگر تھام کے بیٹھو بیٹا ان کی سواری آئی''

پیر صاحب نے کہا۔

''آپ چغد ہیں بالکل۔بھلا پیر صاحب لوگ ایسے واہیات شعر ہیں۔'' مرید نے انھیں ڈانٹا۔

''ہاں، جاؤ پڑھتے ہیں، تمہارے باپ کا کیا جاتا ہے؟ یانی اپنی پیری مریدی کوئی اصلی ئیں ہے جو موجت کے شیر میر بھی ئیں پڑھیں۔''

''ایسی بے وقوفیاں کروگے تو جلدی پول کھل جائے گی۔''

''اے لو، تو کس کے سامنے شائری کی ہے میں نے، اپن تو دو ہی ہیں یاں۔'' پیر صاحب نے ادھر ادھر دیکھ کر بولے۔''مگر، یار، یہ داڑھی کے بال سالے گردن میں چبھتے ہیں۔''

''ہر تکلیف کے بعد راحت ہوتی ہے، پیر صاحب۔'' مرید نے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سن کر جلدی سے لہجہ بدل دیا۔پیر صاحب بھی چونک کر سنبھل گئے۔

''وہ تو حق ہے، یانی کہ اللہ ...اللہ مع الصابرین، یعنی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' پیر صاحب نے لہجہ بزرگانہ بنالیا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# دُرگت

دونوں کی نگاہیں دروازے پر لگی تھیں، لیکن کوئی اندر نہیں داخل ہو۔ پیر صاحب کچھ سٹپٹا سے گئے۔

''یار، کہیں وئی تتن خاں کی روح نہ ہو؟'' پیر صاحب نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''پھر وہی، میں نے طوطن خامن رنایا تھا نا؟''

''اپن سے نئیں بنتا یہ طوطن خانم وانم۔'' پیر صاحب کا منہ بگڑ گیا۔

مگر اسی وقت وہ خود سے اچھل پڑے۔ دروازے کی سمت سے ایک عجیب سی آواز ہوئی تھی۔

''فش۔'' اور اس آواز کے ساتھ ہی ایک مرا ہوا چوہا پیر صاحب کے قدموں میں آگرا۔ وہ اچھل کر دور ہٹ گئے اور مرید کے طرف دیکھنے لگے۔

''صرف چوہا ہے۔'' مرید نے مسکرا کر کہا۔

''مگر مرا ہوا ہے۔'' پیر صاحب کی آواز میں خوف تھا۔ ''کہیں اپنا غصہ اس سالی روح نے پہلے چوہے پر ہی نئیں اتار دیا ہو؟''

مگر اسی وقت باہر سے ایک باریک مگر تیز قہقہے کی آواز نے پیر صاحب کے کان دوبارہ کھڑے کر دیے۔ وہ ابھی سکتے میں ہی تھے کہ کسی نے دروازے کی طرف سے ایک سیاہ بلی پیر صاحب پر کھینچ ماری اور وہ۔ ''باپ رے۔'' کی آواز حلق سے نکال کر اپنے مرید پر جا گرا۔

بلی، ''چیاؤں''، کیچ کے ساتھ کودتی ہوئی بھاگ گئی۔

''ہیلو۔'' انھیں ایک سریلی سی آواز دروازے پر سنائی دی اور پیر صاحب نے جو

Akram Allahabadi

نظریں اٹھا کر دیکھا تو سکتے میں ہی رہ گئے ۔ان کے مرید نے غلط نہیں کہا تھا۔اتنی خوب صورت لڑکی تو انھوں نے کسی نمائش میں بھی نہیں دیکھی تھی ۔

''یار،اللہ قسم...''وہ بس اتنا ہی کہہ سکے۔

''ہیلو۔''لڑکی نے دوسری بار بڑے دل برا نہ انداز میں ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''پیر صاحب،تم بھی ہلو بولو۔''

''ہلو ہلو۔''پیر صاحب نے بوکھلا کر جواب دیا۔

''میں آپ کے گھونسلے میں آ سکتی ہوں؟''وہ اندر آتی ہوئی بڑے نخروں سے بولی۔

''اب تو آپ آ ہی گئی ہیں۔''پیر صاحب کے مرید نے جواب دیا۔

''آپ لوگوں نے آج کتنے انڈے دیے ہیں؟''اس نے قریب آ کر بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''یانی،آپ کا مطلب؟''پیر صاحب کے منہ سے نکلا۔

''ہائے،آپ بھی کتنے چشمِ بلبل ہیں،اتنا بھی نہیں سمجھتے؟''وہ اٹھلا کر بولی۔

''لو، دیکھ لو اچھی طرح، یہی ہیں۔''مرید نے پیر صاحب کو ٹھوکا دیا۔''یہ سب آزمائش ہے۔''وہ بولا۔''بس جیسا کہے،ویسا ہی کرتے جانا۔''وہ سرگوشی لے لہجے میں بولا۔

''تو آزمائی ہے یہ؟''پیر صاحب نے بھی اسی لہجے میں سوال کیا۔

''بالکل،اور فیل ہوئے تو سو جوتے،یاد رکھنا۔''مرید نے سمجھایا۔

''جیاں،میں بلبل ہوں۔''پیر صاحب نے مجسم تابعدار بن کر عرض کیا۔

''مم...مگر...مگر آپ کی دم کدھر ہے؟''وہ اسکے چاروں طرف گھوم کر اسے غور سے دیکھنے لگی۔وہ قطعی سنجیدہ تھی۔اس لیے پیر صاحب کو اس امتحان کا پورا یقین ہو گیا تھا۔

''وہ تو پچھلی خزاں میں جھڑ گئی۔''پیر صاحب کا مرید جلدی سے بول پڑا۔

''ہائے،اس پر تو ایک لال پیسہ بھی تھا۔''وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر افسوس زدہ لہجے میں

بولی ۔

''جیاں ،جیاں ،تھا۔''

''کیا؟''

''لال پیسہ۔''

''ہائے ،میرا لال پیسہ۔'' وہ سر پکڑ کر رونے لگی ۔

''ارے ،ارے ،آپ روتی کاہے کو ہیں ۔ دوسرا مل جائے گا۔'' پیر صاحب جلدی سے اسے تسلی دینے لگے ۔انھیں اس کی یہ معشوقانہ ادا کچھ اتنی قاتل معلوم ہوئی کہ دل ہی دل میں وہ کئی بار قتل ہو گئے ۔

''یعنی آپ کی دم پھر سے اگ آئے گی ۔''لڑکی نے پوچھا۔

''جیاں ،ضرور۔''

''نہیں ،آپ تھوڑی سی کھا دکھایے ،نہیں تو ہمدرد دواخانے سے مشورہ کیجیے۔''

''اچھا،اچھا۔''

''اے ،تم ۔''وہ ان کے مرید سے مخاطب ہوئی ۔''میرے ساتھ چلو گے؟''

''کہاں؟'' مرید نے پوچھا۔

''جہنم میں ۔'' پیر صاحب منہ بنا کر بول اٹھے ۔

''میری گڑیا کی شادی ہے ،میں تمھیں اس کا ہاتھی بناؤں گی ۔''

''اس کے لیے تو پیر صاحب بہتر ہیں ۔'' مرید نے پیر صاحب کی طرف اشارہ کیا۔

''جیاں ،جیاں ،میں چلتا ہوں ۔''

''مگر یہ تو چشم بلبل ہیں ۔'' وہ منہ پھلا کر بولی ۔

''اور دم بھی جھڑ گئی ہے ۔''مرید نے باقی صفت بیان کر دی ۔

''جی نہیں ،میں ہاتھی ہوں ۔'' پیر صاحب نے جلدی سے پیشکش کی ۔

Akram Allahabadi

"لاقسم؟"

"لاقسم۔"

"ایں۔"لڑکی نے اسے زبان نکال کر منہ چڑ ایا۔

"ایں۔"پیر صاحب نے بھی مرید کے اشارے پر وہی حرکت کی۔

"تم سچ مچ بڑے پیارے گدھے ہو۔" وہ اسے چمکارنے لگی۔

"شوکریا۔" پیر صاحب نے لفظ پیار سے جھومتے ہوئے کہا۔

"شوکریا نہیں گدھے۔"لڑکی اچانک بگڑ گئی۔

"جیاں، شوکریائیں گدھے۔" پیر صاحب نے دہرایا۔

"نہیں، گدھے نہیں چینک پونگ پلا پی پی۔" بلقیس نے کسی قدر ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"جیاں، بالکل وئی۔"

کیا وہی؟" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"یانی چنگ پونگ پلاپلا پی پی۔"

"نہیں، چینگ پونگ پلا پی پی۔"

"جیاں، پلا پی پی۔"

"ہاتھی بن جاؤ۔" لڑکی نے زمین کی طرف اشارہ کیا۔

پیر صاحب کے مرید نے دروازے سے باہر جھانک کر دیکھا، وہاں سناٹا تھا، اس نے پیر صاحب کو اشارہ کیا کہ وہ ہاتھی بن جائیں ورنہ حسن روٹھ جائے گا۔

"لو بن گیا۔" پیر صاحب نے ہاتھ پیر زمین پر ٹیک دیے۔

"دانت نکالو۔"

"پیر صاحب نے بتیسی دکھائی۔

"اب چنگھاڑو۔"

''اے لو، ہاتھی کہیں ہنہناتا ہے؟'' پیر صاحب نے اعتراض کیا۔

''پیر صاحب، فرماں برداری۔'' مرید نے اسے ٹوکا۔

''جیاں، ہنہناتا ہے، ایسے...'' اور پیر صاحب حلق اور ناک سے گھوڑے جیسی آواز نکالنے لگے۔ جس پر ان کے مرید کو منہ سی کر اپنی ہنسی چھپانی پڑی۔ وہ خوش ہو کر تالیاں بجانے لگی۔

''گنپتی بابا موریا، گنپتی بابا موریا...'' وہ اچھل اچھل کر چیخنے لگی اور پھر پیر صاحب کی پیٹھ پر بیٹھ گئی۔

''ارے، ارے، مگر میں تو آپ کی گڑیا کا ہاتھی ہوں؟'' پیر صاحب نے احتجاج کیا۔

''اور میں بھی تو گڑیا ہوں، ننھی سی تو۔'' وہ اس کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے اچھلنے لگی۔

''ٹھک ٹھک چل میرے ہاتھ...'' اس نے یہ رٹتے ہوئے اسے چپتیں لگانی شروع کر دی اور پیر صاحب کو پسلیاں ٹوٹتی محسوس ہونے لگیں۔ ان کے مرید سے ہنسی ضبط نہیں ہو رہی تھی وہ منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

''کیسا بودا ہاتھی ہے۔ ارے چل نا۔'' اس نے پھر اسے مہمیز کیا اور پیر صاحب کو مجبوراً گھٹنے کے بل چلنا پڑا۔

''ارے، تم بھی آؤ نا، گڈے تم بن جاؤ۔'' بلقیس پیر صاحب کے مرید سے بڑے نخرے سے بولی۔

''لو آیا۔'' مرید قریب آ گیا۔

''بیٹھو تم بھی ہاتھی پر میرے ساتھ۔'' اس نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ لیکن اسی وقت پیر صاحب غصے میں سیدھے ہو کر کھڑے ہو گئے اور بلقیس دھڑام سے گر پڑی۔

''تیل لینے گیا سالا امتحان ممتحان۔ یا نی ہاتھی میں بنوں اور سالے گڈے تم بنو۔'' وہ

بگڑ گیا۔ ''ہوشت، لانت ہے ایسے ہاتھی بننے پے۔''

لیکن بلقیس سر پکڑ کر رونے لگی تھی۔ وہ بچوں جیسے انداز میں چیخ رہی تھی۔

''ہائے اللہ، کیسا گدھا ہاتھی ہے، میری کمر توڑ ڈالی۔ ڈیڈی، ڈیڈی۔'' مگر اس وقت پروفیسر کی بجائے ان کا ملازم گھبرایا ہوا اندر آ پہنچا۔

''کیا ہو گیا، حضور، بے بی نے کچھ غستاخی کی؟'' وہ پیر صاحب سے ہی پوچھنے لگا۔

جس پر پیچھے سے بے بی نے اتنی کس کر اس کی کمر پر لات ماری کہ وہ اوندھا جا گرا۔

''میرے ہاتھی سے بات کرتا ہے۔'' وہ روتے روتے ایک دم غصے میں آ گئی۔

ملازم اس ماحول سے پوری طرح مانوس تھا۔ اسے غالباً بلقیس کی توجہ بانٹنے کا طریقہ بھی معلوم تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر بولا۔

''بے بی، تمہاری بچی کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔''

''ہائیں، ارے کہاں؟'' وہ حیرت سے چونکی پھر تیزی سے دروازے سے نکل کر شاید اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ ''ہائے میری بچی۔'' اس کی چیخ دور تک سنائی دے رہی تھی۔

''کیا تمہاری بے بی کی بچی بچی بھی ہے؟'' پیر صاحب نے نوکر سے پوچھا۔

''نہیں، حضور۔ وہ تو ایک چھچھوندر بند کر رکھی ہے پنجرے میں انھوں نے، اسی کو پیار کرتی رہتی ہیں۔''

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# پانچ ہزار برس پہلے

رات انھوں نے پروفیسر ہمایوں یاور مرزا کے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ نوکر شکوران کا بہت معتقد ہو گیا تھا اور بڑی سرگرمی سے ان کی خدمت کر رہا تھا، لیکن بلقیس کو اس وقت اس کے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ ورنہ ان کا کھانا مصیبت کر دیتی۔ پروفیسر حالاں کہ بہت اخلاق سے پیش آ رہا تھا، لیکن اس نے بہت کم گفتگو کی۔ خود پیر شامت نے ہی ایک بار پوچھ لیا۔

''وہ آپ کا تتن خان کون ہے سالا، میں ایک وظیفے میں اس کی ہیکڑی بھلا دوں گا۔''

''وہ کوئی انسان نہیں ہے، پیر صاحب۔'' پروفیسر نے نرمی سے کہا۔

''اچھا تو جن بھوت پریت ہو گا، سالا کوئی۔''

''طوطن خان ایک فرعون تھا جو پانچ ہزار سال پہلے گزرا ہے۔'' پروفیسر نے سنجیدگی سے کہا۔

''اے لو، تو یانی ابھی تک اس کا بھوت پیچھے پڑا ہے آپ کے۔'' پیر صاحب نے حیرت سے کہا۔

''آپ شاید ان معاملات کو نہ سمجھیں گے۔'' پروفیسر یہ کہہ کر اٹھ کر غسل خانے کی طرف چل دیا اور پیر صاحب اپنے مرید کی شکل دیکھنے لگا۔

''یار، یہ ہے کیا چکر سالا؟'' انھوں نے مرید سے پوچھا۔ ''تتن خاں فرعون کیسے بن گیا اور پھر وہ بھی پانچ ہزار سال پہلے، یانی وہ الہ آباد میں جو تتن خاں گزرے ہیں وہ کیا اس کے باپ تھے؟'' پیر صاحب بڑبڑانے لگے۔

''۳۹-۴۰ سال قبلِ آثارِ قدیمہ کے ماہروں کی ایک ٹیم نے مصر کے اس فرعون کے

مقبرے کی کھدائی کی تھی، جہاں اندراس کی لاش کے ساتھ ایک جو دعا لکھی تھی کہ اسے ستانے والے تباہ ہو جائیں گے۔ یہ اسی کا چکر ہے۔'' مرید نے سمجھایا۔

''اے لو، تو پھر مجھے کائے کو یاں گھسیٹ لائے؟''

''اس لڑکی کے لیے۔''

''اور جو کہیں اپنے کو بھی وہ سالی روح موح لپٹ گئی تو...؟''

''تم تو پیر صاحب ہو۔''

''تیل لینے گئے پیر صاحب بھی۔ لو میاں، سنبھالو اپنی پیری مریدی۔'' پیر صاحب اکھڑ گئے۔

''تم جانو۔ ویسے وہ صرف تمھیں آزما رہی ہے۔''

''اللہ قسم؟''

''میں بار بار قسمیں نہیں کھاتا۔''

''مگر یہ تو تتن خاں...؟''

''پھر وہی، طوطن خامن کہو ورنہ یہ لوگ سب تمھیں نرا جاہل سمجھیں گے۔''

''تتن خانم۔''

''خامن۔''

''خامن، جامن، بامن، سامن، بس۔''

''کیا آپ لوگ کھانے کے بعد چائے یا کافی پینا پسند کریں گے؟''

بلقیس کی آواز نے انھیں چونکا دیا۔ وہ اس وقت بڑی سنجیدگی سے کسی صحیح الدماغ آدمی کی طرح گفتگو کر رہی تھی، البتہ لباس اس نے نیم عریاں پہن رکھا تھا۔ ایک قمیص جس کی آستین نہ تھیں اور اس کی گوری گری سڈول باہیں عریاں نظر آ رہی تھیں۔ سر پر دوپٹہ نہ تھا اور پیروں میں جوتے یا سلیپر بھی نہ تھے۔ اس کے سفید پیروں پر سرخی لگے ہوئے ناخن یاقوت کے

نگینوں کی طرح چمک رہے تھے۔وہ سوال کر کے سنجید ہ نظروں سے ان کی شکلیں دیکھنے لگی۔

''کم از کم میں تو چائے پی سکتا ہوں۔''مرید نے جواب دیا۔اور پیر صاحب بھی چونک پڑے۔

''ہاں ہاں،کائے کو نئیں۔بھلا نیکی اور پوچھ پوچھ۔''

وہ یہ کہہ کر چلی گئی اور پیر و مرید دونوں سوچتے رہ گئے کہ وہ جو کچھ کہہ گئی ہے اس میں اس کی دماغی کیفیت کو کس قدر دخل ہے۔تھوڑی دیر بعد ہی نوکر آ پہنچا۔

''آپ کے بستر تیار ہیں،برآمدے میں کرسیاں بھی لگی ہیں،چاہیں بیٹھیں یا چاہیں آرام کریں۔''اس نے ادب سے کہا۔

''پیر صاحب مرید کے طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

''یہ فیصلہ ہم خود کرلیں گے،تم جاؤ آرام کرو۔''مرید نے جواب دے دیا۔

''بہت بہتر ہے۔''ملازم چلا گیا۔

ابھی وہ اٹھنے ہی والے تھے کہ بلقیس بھاگی ہوئی آ پہنچی۔وہ ہاتھوں پر ایک چھوٹا سا طباق اٹھائے ہوئے تھی۔انھوں نے دیکھا اس میں بچوں کے کھیلنے کا ایک چھوٹا سا چینی کا چائے کا سیٹ رکھا تھا،جس کی پیالیاں اخروٹ جتنی بڑی بھی نہ تھیں۔اس نے وہ بڑی آہستگی سے ان کے سامنے رکھ دیا اور خود ایک کپڑے کے ٹکڑے سے، جو شاید میز کا ڈسٹر تھا،سر پر ڈال کر گھونگھٹ نکال کر کھڑی ہوگئی۔

پیر صاحب نے جھک کر اس چھوٹی سی کیتلی کو کھول کر دیکھا تو اس میں صرف ٹھنڈا پانی بھرا تھا۔

''چائے پسند آئی،سسر جی؟''بلقیس نے گھونگھٹ کاڑھے کسی نئی بہو کی طرح شرما کر پوچھا۔

پیر صاحب چونک کر مرید کی صورت دیکھنے لگے۔

"کون سالا سسر جی ہے یہاں؟" انھوں نے پوچھا۔

"ہائے، آپ ناراض ہیں شاید مجھ سے۔ خدا غارت کرے آپ کو۔ مری تو قسمت ہی پھوٹی تھی جو ایسی سسرال ملی۔" وہ پیر صاحب کو ایک دو ٹھوکر مار کر وہیں سر پکڑ کر رونے بیٹھ گئی۔

"اے لو، میاں خاں اب بھگتو۔" پیر صاحب نے آہستہ سے مرید سے کہا۔ "تیل لینے گئی ایسی آزمائش۔ یانی سسر جی، لاحول ولاقوۃ۔" پیر صاحب جھنجلا گئے۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ تم جیتو گے تو کیا، جوتے ہی کھاؤ گے۔" مرید نے بھی تنگ آئے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# مردوں کا دربار

پیر صاحب اور ان کے مرید کی آنکھ اتفاق سے ایک ساتھ کھلی اور دونوں غرقِ حیرت ہو گئے۔

یہ پروفیسر یاور مرزا کا بنگلا تو نہ تھا جہاں وہ رات کو سوئے تھے۔ رات تو اس وقت بھی طاری تھی لیکن خدا جانے یہ کون سی دنیا تھی۔ ایک لمبے لمبے گول سفید ستونوں والا ایوان جو کسی رومی حکمراں کا دربار معلوم ہوتا تھا اور اس دربار کی چھت سبز اور چمکیلی تھی۔ دیواریں سادہ اور سفید تھیں اور ان کے ساتھ پتھر کے شمع داں نصب تھے، جن پر موٹی موٹی شمعیں روشن تھیں۔ ان شمعوں کی روشنی لرز لرز کر ان کے خوف ناک چہروں پر پڑ رہی تھی جو اس ایوان میں چاروں طرف دیواروں کے قریب پتھریلی نشستوں پر متمکن نظر آ رہے تھے۔ وہ لمبے لمبے دھاری دار جبے پہنے ہوئے تھے۔ ہال میں ایک نیم محرابی دروازہ تھا، جس پر سنہری پچی کاری کی ہوئی تھی اور دروازے کے دونوں طرف شاید سونے یا پیتل کے سینہ بند (بکتر) پہنے ہوئے اور خود لگائے ہوئے سناں بردار لمبے تڑنگے سیاہ فام محافظ کھڑے تھے۔ ان کے سینوں پر کرنوں والے گول سورج کا نشان تھا۔ مسندوں پر جو لوگ بیٹھے تھے ان کے چہرے مُردوں کی طرح زرد اور سُتے ہوئے تھے، لیکن اپنی پراسرار خموشی کے ساتھ وہ بہت بھیانک دکھائی دے رہے تھے۔ سامنے کی طرف ایک اونچا چبوترہ تھا، جس کی سیڑھیوں کے دونوں سمت دو پلیٹ فارموں پر دو خوف ناک بت کھڑے تھے جن کی اونچائی کسی طرح پندرہ پندرہ فٹ سے کم نہ تھی۔ یہ بت فراعنہ کے مصر کے بتوں سے ملتے جلتے تھے۔ سر پر دھاری دار اسکارف اور ماتھے پر گُسی ہوئی گول پٹی، جس کے درمیان ناک کی سیدھ میں ایک سنہری سانپ کا پھن اٹھا ہوا نظر آتا تھا۔ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد چبوترے پر سامنے ایک بڑا سا اور گہرا تخت تھا جو دونوں سمت دو کتوں کے ہم شبیہ بتوں

پر رکھا ہوا تھا۔ پھر تخت کے دائیں بائیں دو بڑے بڑے بت تھے جو ابوالہول کے بت معلوم ہوتے تھے۔

پیر صاحب اور مرید دونوں بڑی حیران نظروں سے ایک ایک چیز کو دیکھتے رہے اور انھیں جب اس تخت پر ایک سب سے زیادہ خوف ناک شکل نظر آئی تو پیر صاحب کی تو گھگھی بندھ گئی۔ انھیں اسی وقت احساس ہوا کہ وہ اس چمکتے فرش کے دربار میں بیچوں بیچ زمین پر پڑے ہیں، لیکن ان کے جسم قید سے آزاد تھے۔ وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور تخت کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔ ایک بہت چمکیلے سنہری لباس (عبا) میں ملبوس وہ پراسرار وجود تخت پر رونق افروز تھا۔ اس کی سنہری عبا پر چمک دار نیلی دھاریں پڑی تھیں اور عبا کے اوپر اس نے ایک سرخ مخملی چادر سی کاندھوں پر ڈال رکھی تھی۔ اسکے سر پر ایک اونچا سا سنہری تاج تھا، جس میں یاقوت جگمگا رہے تھے۔ اس کا چہرہ نیلگوں تھا اور آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے، آنکھوں کے دونوں سروں پر سرمے کی لکیر کنپٹیوں تک چلی آئی تھی، اس کے ننگے ہاتھ بھی ہلکے نیلے رنگ کے نظر آرہے تھے، ٹانگیں پتلی اور گھٹنے سے نیچے عریاں تھیں اور پیروں میں عجیب ساخت کے سنہری فیتوں والے جوتے تھے۔ اس کے دونوں ہاتھ سینے پر بندھے تھے، جن میں سے ایک ہاتھ میں وہ ایک سنہری چھڑی پکڑے تھا، جس کے سرے پر ایک ستارہ نصب تھا اور دوسرے ہاتھ میں قرولی جیسی کوئی چیز۔

انھوں نے جب اور غور سے دیکھا تو انہیں اس احساس سے جھرجھری سی آ گئی کہ کہیں مُردوں کا دربار تو نہیں؟ کیوں کہ ہال میں بھیانک سکوت طاری تھا اور کسی چیز میں بھی ذرا جنبش نظر نہ آتی تھی۔

''یا ربالے بھائی۔'' پیر صاحب سے نہ رہا گیا۔ ''یہ اپن کاں پونچ گئے؟'' پیر صاحب کی آواز فرطِ خوف سے لرز رہی تھی۔

''میری سمجھ میں خود نہیں آ رہا ہے۔'' مرید صاحب نے فرمایا۔ وہ خود بھی حیران تھا۔

''کہیں اپن خواب مواب تو نئیں دیک رئے ہیں؟'' یہ کہہ کر شوکت نے اپنی انگلی دانتوں سے کاٹ لی اور خود ہی اچھل پڑا۔

بالے ابھی تک اس دربار کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے یہاں کوئی چیز مصنوعی نظر نہیں آئی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہزاروں سال قبل کے مصر میں پہنچ گیا ہے۔

''خدا جانے کون سا مقام ہے یہ؟'' بالے بڑبڑایا۔

''شاہ جنات کا دربار لگتا ہے۔'' شوکت نے بے جان کھڑے سپاہیوں پر اور پھر مسندوں پر بیٹھے ہوئے بے حرکت وجودوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ اپنے حافظ زیارت علی صاحب کہتے تھے کہ آدھی رات کو جناتوں کا دربار لگتا ہے۔''

''یہ جنات نہیں، عقل مند، مُردوں کا دربار معلوم ہوتا ہے۔ وہ تخت پر قدیم مصر کا کوئی فرعون بیٹھا ہے اور یہ سب اس کے درباری اور محافظ ہیں۔'' بالے نے اشارہ کیے بغیر آہستہ سے کہا۔

''تو کیا یہ سب مردے ہیں؟'' شوکت کا چہرہ یہ کہتے ہوئے زرد پڑ گیا۔ اسے رگوں میں خون منجمد ہوتا محسوس ہوا اور ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ سی دوڑ گئی۔

وہ تمام بت اسی طرح بے جان بیٹھے تھے۔ اس مقام کی ہر چیز بے جان نظر آ رہی تھی

۔

''کہیں یہ طوطن خان کا بت تو نہیں ہے؟'' بالے نے غور سے تخت نشین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''پھنسایا تم نے چکر میں۔ سالے، جاسوسی کرتے کرتے مردوں کے چکر میں بھی پڑنے لگے۔'' شوکت روہانسے انداز میں بڑبڑایا۔

''فراعنہ مصر کی پراسرار روحانی طاقتوں کے بارے میں بہت سی روایات مشہور ہیں۔'' بالے نے اس کی ان سنی کر کے کہا۔

Akram Allahabadi

''ارے، مگر اگر یہ بت ہیں تو اپن سوتے سوتے یاں کیسے پونچ گئے، اتی دور ہزاروں میل دور؟'' شوکت بولا۔

''خدا جانے کیا اسرار ہے یہ، میری تو عقل کام نہیں کر رہی۔ ہم خواب بھی نہیں دیکھ رہے، پھر آخر ہم یہاں پہنچے کیسے؟ کیا کوئی روحانی طاقت...'' اور وہ کہتے کہتے رک گیا، کیوں کہ شوکت کی.....تخت نشین فرعون کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے پہلے.....کانپنے لگے تھے، پھر دھیرے دھیرے وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے....اور اس نے سوجے ہوئے پپوٹوں والی آنکھیں کھول دیں.....

''ارے بھاگو، میاں خاں۔ یہ تو مُردوں کا ہی دربار ہے۔ سالے زندہ ہوئے ہیں۔'' یہ کہہ کر شوکت بے تحاشا دروازے کی طرف بھاگا، مگر جب دروازے پر کھڑے بکتر پوش سپاہی اچانک حرکت میں آ گئے تو اس کے منہ سے خوف سے چیخ نکل گئی۔ انھوں نے اپنے برچھوں کا رخ اس کی طرف کر دیا تھا۔

اسی وقت انھیں ایک بھیانک سی گرج دار آواز سنائی دی۔ جو یقیناً اسی تخت نشین فرعون کی تھی۔ لیکن وہ کون سی زبان تھی، ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ انھوں نے مڑ کر دیکھا تخت نشین فرعون اس وقت بہت بھیانک نظر آ رہا تھا، اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ انھیں دونوں سمت سے ان محافظوں نے بازوؤں سے تھام لیا اور ڈھکیلتے ہوئے تخت کی طرف لے چلے۔

''یا اللہ رحم کر... یا اللہ رحم کر...'' شوکت بڑبڑانے لگا۔ میں چار رکعت دو رکعت نماز شکرانہ پڑوں گا۔ سو فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا۔ اللہ میاں، اس مصیبت سے بچا لے۔''

وہ دعائیں مانگنے لگا۔ بالے بھی حیران تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔

انھیں اس فرعون کے سامنے کھڑا کر کے وہ محافظ پیچھے ہٹ گئے اور انھوں نے اپنے برچھوں کی انیاں ان کی پشت سے لگا دیں۔

تخت نشین وجود انھیں غور سے دیکھ کر اپنی زبان میں کچھ بولا۔ جن پر دوسری مسندوں

سے سفید چہروں والے درباری کھڑے ہو گئے اور انھوں نے ان دونوں کی طرف اشارہ کر کے چلانا شروع کر دیا۔

"بیٹے، یہ ہماری موت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔۔" بالے نے شوکت سے آہستہ سے کہا۔

"ارے، تو کچھ ترکیب مرکیب لڑاؤ نا مجیں تو مرے حرام کی موت۔" شوکت گھبرا گیا۔

"بدقسمتی سے ہم یہاں اپنے شب خوابی کے لباس میں لائے گئے ہیں ورنہ ریوالور پاس ہوتا تو ابھی ان کا علاج ہو جاتا۔"

"میاں خاں، یہ تو کوئی پرانا زمانہ ہے، یانی میرا مطلب ہے کہیں اپن مر کے مجیں پونچیاں؟" شوکت کے ذہن میں ایک اور وہم ابھرا۔

"مگر ہم تو زندہ سوئے تھے۔"

"اے لو، تو سوتے سوتے ہی کہیں چل بسے ہوں تو؟"

"مر چکے ہیں تب تو پھر کسی بات کا ڈر نہیں، ہونے دو جو ہوتا ہے۔"

"ہاں، خاں، ہر چہ باداباد۔" شوکت کو بھی یاسیت میں جوش آ گیا۔

وہ مردوں جیسی شکل والے درباری تخت نشین فرعون کچھ سے کہہ رہے تھے، لیکن ایک بار جب پھر فرعون گرجا تو وہ خاموش ہو گئے۔

تخت نشین فرعون نے نفی میں گردن ہلائی اور ہال پر سناٹا چھا گیا۔ اس کے بعد ہی وہ ان دونوں سے مخاطب ہوا۔ اس کا لہجہ اب پہلے سے زیادہ خوفناک تھا۔ وہ ایک ناقابلِ فہم زبان میں ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کی بات دونوں میں سے کسی کے پلّے نہیں پڑی، مگر بالے شوکت کو آنکھ مار کر اور اثبات میں سر ہلانے لگا اور شوکت نے بھی وہی کرنا شروع کر دیا۔

اسی وقت پیچھے سے دو محافظوں نے آ کر ان کے بازو تھام لیے۔ وہ انھیں پکڑ کر

Akram Allahabadi

ایک کونے کی طرف لے گئے۔یہاں پتھر کے ایک برتن میں نیلے نیلے رنگ کا پانی بھرا ہوا تھا، جس میں سے عجیب سی مہک آ رہی تھی۔محافظوں نے دونوں ہاتھوں سے ان کی گردنیں تھام کر ان کے سر، چہروں سمیت، پانی میں جھٹکے سے ڈبو دیے۔یہ کام اس طرح اچانک ہوا کہ بالے کوئی مدافعت بھی نہ کر سکا، حالاں کہ وہ دل میں طے کر چکا تھا کہ ان محافظوں سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔محافظ بھی کم طاقتور نہ تھے۔وہ ان کے سر پانی میں کئی سیکنڈ تک ڈبوئے رہے اور بالے اور شوکت کی قوت آزمائی کام نہ آئی۔انھیں اپنا دم گھٹتا سا محسوس ہونے لگا۔اور پھر ان پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# وارننگ

اچانک شوکت کو اس عالم میں بھی ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس کی ٹانگ پکڑ کر کسی قبرستان میں گھسیٹ رہا ہو۔ وہ آنکھیں بند کیے ہی چلانے لگا۔

''یا اللہ، معاف کر۔ میں جھوٹا، میرا باپ جھوٹا۔ میں اب پیر میرثیں بنوں گا۔ میں گناہ گار بندہ سالا، پولیس والوں کی بات میں آگیا۔ ہائے، میری ٹانگ مت گھسیٹو اس سارجنٹ کی گھسیٹو۔ یہ سب اسی کی تو شرارت ہے۔ ارے بچاؤ۔ کوئی فرشتہ میری ٹانگ گھسیٹ رہا ہے۔'' وہ آنکھیں بند کیے چیختا رہا۔ اور اس وقت تو اس کی کھوپڑی ہل گئی جب وہ پلنگ سے نیچے گرا۔ ڈر کے مارے اس نے اب بھی آنکھیں نہیں کھولیں اور منہ ہی منہ میں دعائیں پڑھتا رہا۔

''لاحول ولاقوہ، کیا آدمی ہیں آپ بھی۔'' اس کے کانوں میں اسی وقت بالے کے بڑبڑانے کی آواز آئی اور اس نے ہمت کر کے ایک آنکھ کھول دی۔ مگر جو بھیانک شکل اس کو نظر پڑی اس نے اس کے خوف میں اور اضافہ کر دیا۔ اس نے جلدی سے آنکھیں میچ لیں۔ وہ سیاہ فام چہرہ ضرور کسی عذاب کے فرشتے کا ہی ہو سکتا تھا۔ وہ پھر گھگھیانے لگا۔

''اللہ قسم، میں نہیں ہوں، ملک الموت صاحب۔ میں نہیں ہوں۔ وہ سارجنٹ ہے۔ میں نے کو چھ نہیں کہا ہے۔ مجھے ماف کر دو۔ اسی سالے کی خبر لو۔'' وہ گھگھیایا۔

''دماغ خراب ہوا ہے کیا تمہارا؟'' بالے کی جھنجلائی ہوئی آواز پھر اس کے کانوں میں پڑی۔

''اے لو، یا نی اب دھوکا بھی دینے لگے۔'' شوکت نے یہ کہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

''ابے جناب، آنکھوں میں رتوندھ آرہی ہے کیا جو مجھے نہیں پہچانتے۔''

''مگر کالا تو منہ ہو رہا ہے تمہارا، کون پہچانے گا۔''

''اور تمہاری ٹانگ جو کتا گھسیٹ لے رہا تھا۔'' بالے نے بتایا۔

اور اس وقت شوکت کو اپنی ٹانگ کا خیال آیا۔ اس میں رسی بندھی ہوئی تھی، جس کا دوسرا سرا کھلا پڑا تھا۔

''رسی کا دوسرا سرا اس کی کمر میں بندھا ہوا تھا۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ گھبراہٹ میں اس نے تمھیں کاٹا نہیں۔'' بالے نے بتایا۔

''اللہ تیرا شکر ہے، میں تو کچھ اور سمجھا تھا۔ مگر یہ تمہارا منہ کائے کو کالا ہو رہا ہے۔'' شوکت نے پھر بالے کی صورت دیکھی۔ بالے نے جب منہ پر ہاتھ پھیرا تو واقعی کالونچ اس کے ہاتھ میں لگ گئی۔ وہ مسکرایا۔ اور پھر دیوار گیر آئینے میں اپنا منہ دیکھنے لگا۔

''ارے، مگر اپن تو کسی فرعون کے دربار میں تھے یاں کیسے آ گئے؟'' شوکت کچھ یاد کر کے بولا۔

''تو کیا تم نے بھی وہی خواب دیکھا تھا؟'' بالے حیرت سے چونک پڑا۔

''خواب؟ تو یا نی خواب تھا وہ۔ چلو اچھا ہوا سستے میں چھوٹے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب وطلب یہ کہ اب گھوڑی بڑھائیاں سے، یہ سالا بلاؤں کا چکر مالوم ہوتا ہے۔''

''تم نے کیا خواب دیکھا تھا، بیان کرو۔''

شوکت نے پورا خواب اسے سنا دیا اور بالے کی حیرت دوبالا ہو گئی۔

''میں نے بھی بالکل یہی خواب دیکھا ہے۔'' وہ بولا۔

''عجیب بات ہے۔''

Akram Allahabadi

''ٹھہرو۔'' یہ کہہ کر بالے اپنے تکیے کی طرف جھپٹا۔ اسے اس کے نیچے ایک آبنوس جیسی لکڑی کی کوئی چکنی سی پلیٹ نظر آ رہی تھی۔ اسے اپنے سرہانے سے نکال لیا۔ یہ چیز یقیناً رات کو تو اس کے سرہانے نہیں تھی۔ پھر کہاں سے آ گئی، اور وہ یہ دیکھ کر اور زیادہ سوچ میں پڑ گیا کہ اس پر جو حروف کھدے ہوئے تھے وہ قدیم مصری زبان جیسے سے تھے اور اس لکڑی سے عجیب سی خوش بو اڑ رہی تھی۔

''مگر یہ تمہارا منہ کالا کیوں ہوا؟'' شوکت نے پھر سوال کیا۔

''یہ پروفیسر یاور مرزا کی لڑکی کی حرکت ہے۔'' بالے یہ کہہ کر غسل خانے میں چلا گیا اور شوکت کے پلے کچھ بھی نہ پڑا۔ رات کا بھیانک خواب تو اسے یاد تھا، مگر یہ کتا گھسیٹی کی بات سمجھ میں نہ آئی۔ کیا یہ بھی اسی آزمائش کی کوئی کڑی ہے؟

''اونہہ، ہوگی سالی، اب یاں ٹھیرتا کون ہے۔'' اس نے سر کو جھٹک دیا۔

کچھ دیر بعد ہی بالے منہ دھو کر نکل آیا۔ ٹھیک اسی وقت بلقیس ہنستی ہوئی آ پہنچی۔

'مہمانوں کے لیے ناشتہ لائی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے ایک سفید کپڑے سے ڈھکی تھالی تپائی پر رکھ دی۔ شوکت اسے دیکھ کر زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اور مسکرا دی۔ شوکت کی باچھیں کھل گئیں۔ آج وہ پہلے سے کچھ زیادہ ہی حسین نظر آ رہی تھی۔

''فرمایئے؟'' شوکت نے گھگھیا کر کہا۔

''ناشتا۔'' وہ لہرا کر بولی۔

''اوہ، تھینک یو میری مچ، یانی شکریا۔''

یہ کہہ کر شوکت نے اس طشت کا کپڑا الٹ دیا۔ بالے کو ہنسی آ گئی۔ اس میں پتھر بھرے ہوئے تھے۔

''یہ ناشتا ہے سالا، یانی کنکر پتھر۔'' شوکت جھنجلا گیا۔

''کھاؤ تو کھاؤ، نہیں تو ٹھینگے سے۔'' یہ کہہ کر اس نے ٹھینگا دکھایا اور پیر پٹکتی باہر نکل

گئی۔

''میاں خاں، تیل لینے گئی یہ آزمائش سالی۔اپن تو لانت بھیجتے ہیں ایسے عشق پے۔''شوکت بالے پر بگڑ گیا۔

''تم جانو،حاتم طائی نے تو سات سوال پورے کیے تھے۔''

''وہ بھی گئے تیل لینے،یا نی حاتم بھائی۔''

''اچھا بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔''بالے یہ کہہ کر باہر نکل گیا اور شوکت نے اپنی نقلی داڑھی نوچنی شروع کر دی۔

نوکر نے راستے میں ہی اسے خبر دی کہ پروفیسر صاحب ناشتے کی میز پر ان کا انتظار کر رہے ہیں۔''

بالے نے اسے شوکت کو بلانے کے لیے بھیج دیا اور خود ڈائننگ ہال کی طرف چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

پروفیسر یاور مرزا اس لکڑی کی تختی کو دیکھتے ہی چونک پڑے اور ان کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔بالے ان کی کیفیت کا مطالعہ کر رہا تھا۔اس سے نہ رہا گیا۔

''ایسی کیا بات ہے، پروفیسر صاحب؟''اس نے پوچھا۔

''جانتے ہو اس میں کیا لکھا ہے؟''پروفیسر نے ڈوبتی سی آواز میں پوچھا۔

''میں رسم الخط سے واقف نہیں ہوں۔''بالے نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا۔

''اس میں لکھا ہے،'میں،طوطن خامن،سورج کا بیٹا،تمھیں حکم دیتا ہوں کہ میری بد دعا کے راستے سے ہٹ جاؤ، کیوں کہ تم بے گناہ ہو، ورنہ تمہارا بھی وہی حشر ہو گا جو میری لاش کو ستانے والوں کا ہوا ہے'۔''یہ عبارت پڑھتے ہوئے پروفیسر یاور مرزا کا ہاتھ کانپنے لگا۔اور پھر وہ

نڈھال سے کرسی پر گر پڑے۔

''میں جانتا تھا... میں جانتا تھا کہ میرے خاندان کو کوئی تباہی سے نہیں بچا سکتا۔ہم پر طوطن خامن کی بد دعا کا سایہ منڈلا رہا ہے۔'' وہ مری مری سی آوازمیں بڑبڑایا۔''تم لوگ چلے جاؤ، ابھی چلے جاؤ۔'' مگر یہ کہتے کہتے جیسے اسے کچھ یاد آ گیا۔''یہ لوح تمھیں کہاں سے ملی؟'' اس نے ویران سی نظروں سے بالے کو گھورتے ہوئے پوچھا۔لیکن بالے خود کسی فکر میں مستغرق تھا۔اس کے چہرے پر اس وقت خوف وحیرت کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔شاید زندگی میں پہلی بار وہ اس عجیب واقعے سے متاثر ہوا تھا۔

'یہ لوح کیا خواب کی دنیا سے اس کے ساتھ آئی تھی۔اور اگر وہ خواب نہ تھا تو ہزاروں سال پرانی مصر کی اس دنیا میں فرعون طوطن خامن کے دربار میں کیسے پہنچ گئے تھے۔اس کا ذہن مفلوج سا ہونے لگا، آج اس کے سوچنے کی قوت جواب دے رہی تھی۔

'کیا واقعی وہ روحوں کی دنیا میں پہنچ گئے تھے؟'

''تمھیں یہ لوح کہاں سے ملی تھی؟'' پروفیسر نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

''میرے سرہانے۔'' یہ کہہ کر بالے نے پروفیسر کو پورا واقعہ کہہ سنایا۔وہ اور نڈھال نظر آنے لگا۔اس نے ڈوبتی آواز میں کہا۔

''خان صاحب سے میرا سلام کہہ دینا اور کہنا جو موت میں نے خود خریدی ہے اس سے مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔'' پروفیسر نے اس پر ظاہر کر دیا کہ وہ ان کی اصلیت سے واقف ہو چکا ہے۔

''مگر...؟'' بالے نے کہنا چاہا۔

''اب چلے جاؤ، ورنہ ممکن ہے تمہاری وجہ سے کچھ اور مصیبتیں بھی نازل ہو جائیں۔'' پروفیسر کی آواز کانپنے لگی۔

''بہتر ہے۔'' بالے اٹھ کھڑا ہوا۔

Akram Allahabadi

واپس آ کر اس نے شوکت تیار ہی پایا۔وہ ناشتا کرنے پر بھی راضی نہیں ہوا تھا۔ اسے خود یہاں سے بھاگنے کی جلدی تھی۔بلقیس کا تھوڑ بھی اسے نہ روک سکا۔

☆☆☆☆☆☆

سپرنٹنڈنٹ خان اس چوبی لوح کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں محدب شیشہ تھا۔اس وقت وہ اپنی پرائیوٹ لائبریری میں تھا۔اور بالے اور شوکت دونوں باہر بیٹھے ہوئے تھے۔وہ کافی دیر بعد باہر نکلا۔اور وہ دونوں سوالیہ نظروں سے اس کی صورت دیکھنے لگے۔

''ہم...''وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔''تو تم دونوں طوطن خامن کے دربار میں گئے تھے۔''وہ بالے کی طرف دیکھ کر بولا۔

''جیاں،اور سالے کیا کیا مردے بیٹھے ہوئے تھے واں...''شوکت نے کہنا شروع کیا۔

''خیر، بھول جاؤ اس چیز کو۔''وہ شوکت کی بات کاٹ کر بولا۔''تم جا کر اپنا کام کرو۔''اس نے شوکت کو نصیحت کی۔

''مگر اپن کو جو کہیں وہ سالی بد دعا لگ گئی تو...؟''شوکت نے خوف زدہ سے لہجے میں پوچھا۔بالے بھی اس وقت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''تمہارا ذمہ میں لیتا ہوں،بس۔''خان نے سنجیدگی سے کہا۔

''بھوت اچھا۔''شوکت اٹھ کھڑا ہوا۔''مگر آپ یہ بالے بھائی کو سمجھا دیجیے یہی مجھے چکر میں پھنسا دیتے ہیں۔''اس نے شکایتی لہجے میں کہا اور جواب سنے بغیر اٹھ کر چل دیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟''خان اب اس سے مخاطب ہوا۔

''میری تو عقل ہی گھاس چر گئی ہے۔وہ اگر خواب تھا تو وہ لوح کیسے سرہانے پائی

گئی۔"

"غالباً اپنی زبان میں یہی الفاظ اس فرعون نے بھی خواب میں بولے ہوں گے۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہیں ہم فورتھ ڈائمنشن میں تو نہیں پہنچ گئے تھے۔" بالے چونکا۔

"بڑے کلاسیکل گدھے ہو۔ کیا تم کوئی ٹائم مشین ایجاد کر کے سوئے تھے؟" خان نے جھنجلا کر کہا۔

"آپ بھی کسی طوطن خامن سے کم نہیں۔ بات کرنا بھی گناہ ہو گیا۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم اب بالغوں جیسی گفتگو کیا کرو۔" خان نے نرمی سے کہا۔

"تو کیا فورتھ ڈائمنشن بکواس ہے؟"

"مگر یہاں کہاں اسے گھسیٹ رہے ہو۔"

"میں وہم پرست تو نہیں ہوں، لیکن جب پروفیسر یاور مرزا جیسا پڑھا لکھا، سمجھ دار آدمی اس بد دعا پر یقین رکھتا ہے تو کوئی بات ضرور ہونی چاہیے۔"

"بات ہو یا نہ ہو، لیکن کسی کو مصیبت میں چھوڑ کر بھاگ اٹھنا بہادری نہیں ہے۔" خان کے لہجے میں طنز تھا، جسے بالے محسوس کیے بغیر نہ رہا۔

"لیکن پروفیسر خود اس قدر نروس ہو گئے تھے کہ انھوں نے ہمیں ٹھہرنے ہی نہیں دیا۔"

"کیا تم موت سے اس قدر ڈرتے ہو۔" خان نے دوسرا ہی سوال کیا۔

"اپنے بال بچوں کے لیے۔"

"بکواس نہیں۔" خان نے بات کاٹ دی۔

"نہیں ڈرتا، فرمایئے۔" بالے کو اچانک جوش آ گیا۔

"تو جاؤ کسی نہ کسی صورت میں وہاں اپنی نگرانی جاری رکھو۔ میں تمہارے خواب کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

Akram Allahabadi

''نگرانی کس کی کروں؟ کیا طوطن خامن کسی کار پر چڑھ کر آئے گا وہاں؟'' بالے جھنجلا گیا۔

''وہاں کچھ نہ کچھ بہت جلد ہونے والا ہے۔'' خان کے لہجے میں ایک اعتماد سا تھا۔

''تم علاحدہ سے اس گھر کے ملازموں کو چیک کرو۔''

''وہ سب پرانے اور وفادار نوکر ہیں۔''

''میں جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔''

''بہتر ہے، لیکن میں پھر کہوں گا کہ اس روحوں کے چکر میں نہ پڑیے۔''

''میں تمہارا مشورہ نہیں طلب کر رہا۔ لیکن دوسرے میک اپ میں جانا۔''

''پروفیسر کی لڑکی کے پاگل پن کے بارے میں کیا رائے ہے آپ کی؟''

''قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس بارے میں پھر کبھی ہم گفتگو کر سکتے ہیں۔''

''ویسے میرا خیال یہ ہے کہ وہ کسی صدمے سے پاگل ہو گئی ہے۔'' خان نے کہا۔

''صدمہ تو مجھے بھی بہت ہے، کہیں میں بھی...'' بالے کہتے کہتے رک گیا۔

''تمھیں کس بات کا صدمہ ہے؟''

''اس کے پاگل پن کا۔ ہائے اس قدر نازنین، نازک اندام اور اس پر وعقل وہوش حرام۔''

''بس بک چکے، دنیا میں کچھ اور بھی نظر آتا ہے تمھیں؟''

''بندۂ عشق کو کیا آئے نظر کیا دیکھے...وغیرہ وغیرہ۔''

''تم یوں نہ جاؤ گے۔'' خان اٹھنے لگا۔

''سلامالیکم۔'' بالے یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# تلاش

خان نے اپنی کار ایک تنگ سی گلی کے دہانے پر روک دی اور اسے کنارے سے لگا کر اتر گیا۔

اس وقت وہ تنہا تھا۔ اسے اس لباس میں دیکھ کر کوئی اس کے بارے میں یہی تصور کرتا کہ لکھنؤ کا کوئی شوقین شام کی سیر کو نکلا ہے۔ وہ صرف ایک سفید پیراہن اور پاجامہ پہنے تھا، ہاتھ میں پان کا ایک بٹوہ۔ اس نے میک اپ نہیں کیا تھا، لیکن اس لباس میں اسے غور سے دیکھے بغیر پہچاننا بھی مشکل ہی تھا۔

گلی نیم تاریک تھی اور سرکاری روشنی کے کھمبے کافی فاصلے پر تھے۔ آسمان پر اس وقت سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور بارش کے آثار تھے۔

گلی میں کجرے اور پھول والے بھی ٹہلتے نظر آ رہے تھے اور چند پان کی دکانوں کے علاوہ دو تین چھوٹے بڑے ہوٹل تھے۔ وہ ایک پان کی دکان پر رک گیا۔ چند گاہکوں کو نپٹانے کے بعد دکان دار نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''مجھے پان نہیں چاہیے۔ غفور یہاں کس وقت آتا ہے؟'' خان نے اس سے پوچھا۔

''کون غفور، وہ کن کٹا؟''

''ہاں۔''

''آتا ہی ہوگا۔ کام سے لوٹ کر میرے یہاں سے ہی پان لے کر جاتا ہے۔''

''اس لیے تو پوچھ رہا ہوں۔''

''بولا نا، بس آتا ہی ہوگا۔'' پنواڑی جھنجلا گیا۔

''اچھا، وہ آئے تو کہنا میں اس کونے والے ہوٹل میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔''

Akram Allahabadi

خان نے اشارے سے بتایا۔

''نام کیا بتاؤں؟''

''بس خان صاحب کہہ دینا۔''

''اچھا۔'' یہ کہہ کر پنواڑی پھر اپنے گاہکوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔خان پیدل چلتا ہوا گلی کے سرے والے ایک چھوٹے سے کسی قدر ویران ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ہوٹل کے باہر بورڈ پر اس کا بنام لکھا تھا، 'شرقیہ ہوٹل'۔

اندر میزیں سب پرانی تھیں اور ان ٹوٹے ہوئے ماربل کے ناپس تھے۔کاؤنٹر پر ایک آدمی تہہ بند باندھے بیٹھا تھا۔اس کی توند بڑی تھی، چہرہ سیاہ اور قوی مضبوط تھے۔ویسے ادھیڑ عمر کا معلوم ہوتا تھا۔اندر کے ملازم اور تھے اور ہوٹل کے اندرونی حصے میں شاید چاء وغیرہ بنانے والے ہوں گے۔کاؤنٹر والے نے جو ہوٹل کا مالک ہی معلوم ہوتا تھا، عجیب نظر سے خان کو دیکھا۔اس قسم کا کوئی آدمی اس کے ہوٹل میں تو ابھی تک نہیں آیا تھا۔اس نے ایک ملازم کو اشارہ کیا جو خان کے قریب پہنچ گیا۔

''کیا چاہیے، صاحب؟''

''صرف چائے لے آؤ۔مجھے ایک آدمی کا یہاں انتظار ہے۔''

''اچھا، صاحب۔'' وہ یہ کہہ چلا گیا اور اس نے اپنے مالک کو بھی بتا دیا کہ آنے والا کسی کا انتظار کر رہا ہے۔

مگر کاؤنٹر والے کو یہ جان کر کچھ خوشی نہیں ہوئی۔وہ خوش لباس آدمیوں کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا تھا۔

بیرے نے چائے لا کر رکھ دی۔خان ابھی چائے کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک لمبا تڑنگا سا بڑی بڑی مونچھوں والا آدمی اندر داخل ہوا۔وہ سینہ تان کر چل رہا تھا۔مگر خاں پر نظر پڑتے ہی چونک کر جھک گیا اور قریب آ کر سلام کرنے لگا۔

''میں نے تو دھندا چھوڑ دیا ہے، صاحب۔'' وہ لجاجت آمیز لہجے میں بولا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' خان نے ہنس کر کہا۔ ''بیٹھ جاؤ۔'' غفور جھجکتا ہوا سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور سوالیہ نظروں سے خان کی صورت دیکھنے لگا۔

''تمھیں یاد ہے ایک بار تمہارے ساتھ شراب کے معاملے میں ایک گھنے بالوں والا سیاہ فام آدمی گرفتار ہوا تھا۔'' خان نے آہستہ سے کہا۔

''وہ...'' غفور ذہن پر زور دینے لگا۔ ''جی ہاں، جی ہاں۔ آپ پاشا کا ذکر کر رہے ہیں۔'' اس نے چونک کر کہا۔

''ہاں، شاید یہی نام تھا اس کا۔'' خان نے سوچنے والے انداز میں کہا۔ ''کہاں ہے وہ آج کل؟''

''کہیں گھڑیال گودی میں کام کرنے لگا تھا، صاحب۔ مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں، بہت دنوں کی بات ہے۔'' غفور نے بتایا۔

''خیر، مجھے اس کے بارے میں سب معلوم کر کے بتاؤ۔ وہ کیا کرتا ہے، کہاں رہتا ہے، مگر اس طرح معلوم کرو کہ اسے تم پر کوئی شک نہ ہو۔''

''کوئی بات ہوئی کیا، صاحب؟''

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ لیکن وہ رہنے والا کہاں کا تھا؟''

''یہ تو مجھے بھی خبر نہیں، صاحب۔ میری ملاقات تو اس سے اسی سلسلے میں ہوئی تھی، وہ میرا گاہک تھا۔'' غفور نے بتایا۔

''مجھ سے اُڑنے کی کوشش مت کرو۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں، صاحب۔ وہ خود ہی میرے اڈے پر پینے آیا کرتا تھا۔ بس یوں ہی دوستی ہو گئی تھی۔ اس مرتبہ پولیس چھاپے کے وقت بھی وہ میرے پاس بیٹھا تھا اس لیے گرفتار ہو گیا تھا۔''

Akram Allahabadi

''وہ اکیلا ہی آتا تھا؟''

''کبھی کبھی ایک آدمی اور اس کے ساتھ آتا تھا۔ وہ بھی مجھے چاؤش معلوم ہوتا تھا۔'' غفور نے بتایا۔

''تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ چاؤش تھے؟''

''صاحب، ایسی شکل کے تو چاؤش ہی ہوتے ہیں حیدرآباد کے۔ پھر پاشا نام بھی ان میں ہی ہوا کرتا ہے۔'' غفور نے بتایا۔

''پاشا... پاشا ان میں معزز بلکہ سرداروں کو کہتے ہیں، شاید؟''

''اللہ جانے، صاحب۔ وہ لوگ کبھی کبھی جب اپنی زبان میں باتیں کرنے لگتے تھے تو میرے پلے خاک بھی نہیں پڑتا تھا۔'' غفور نے بتایا۔

''خیر، تم اس بارے میں اچھی طرح معلومات حاصل کر کے مجھے پہنچاؤ۔'' خان نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''تم آسانی سے اس کے قریب ہو سکتے ہو، ورنہ میں کوئی اپنا آدمی مقرر کرتا۔''

''آپ مجھے بھی اپنا ہی آدمی سمجھیے۔ میں اب غلط کاموں سے توبہ کر چکا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ اور ہاں، یہاں کسی کو علم نہ ہو کہ میں کون ہوں اور تم سے کیوں ملا ہوں۔''

''میں پورا پورا خیال رکھوں گا۔''

''اب تم جا سکتے ہو۔'' خان نے اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر چل دیا۔

چائے ختم کر کے خان بھی اٹھنا چاہتا تھا کہ ہوٹل میں اسی وقت ایک ایسا آدمی داخل ہوا جسے دیکھ کر خان پہلے تو چونکا پھر اس نے اس کی طرف دیکھنے کے انداز میں اپنا رخ اتنا ترچھا کر لیا کہ آنے والے کو اس کی شکل نہ نظر آ سکے۔ وہ آدمی پہلے کاؤنٹر والے کے پاس رکا۔ اس نے آہستہ لہجے میں اس سے کچھ باتیں کیں اور پھر اندر جا کر ایک میز پر بیٹھ گیا۔ خان نے باہر کی

طرف نظر کی تو اسے ایک دوسرا آدمی باہر کھڑا نظر آیا جس کا رخ بظاہر دوسری طرف تھا لیکن دُزدیدہ نظروں سے وہ اندر کی طرف دیکھ رہا تھا۔خان اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔پھر کاؤنٹر پر پیسے دینے کے بعد وہ باہر نکل آیا۔وہ آدمی اب بھی رخ پھیرے کھڑا تھا۔

''راستہ ٹھیک ہے۔''خان نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے سرگوشی کے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# روح کی آمد

بادل بتدریج گھنے ہوتے جا رہے تھے اور بجلی نے چمکنا شروع کر دیا تھا۔ نہ جانے کیوں آج پروفیسر یاور مرزا کو شام سے ہی وحشت ہو رہی تھی۔ آج وہی دن تھا جس کا اندیشہ انھیں پہلے ہی سے زندہ درگور کیے ہوئے تھا۔ وہ آج سویرے ہی کھوئے کھوئے نظر آ رہے تھے۔ بلقیس کو جب دیکھتے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آنے لگتے۔ بلقیس کے دماغی خلل کا وہی عالم تھا۔ بلکہ آج اس کا دماغ زیادہ چلا ہوا تھا۔ صبح سے دو بار وہ بلّی بن کر آیا کو کاٹ چکی تھی۔ نوکر شکور کو جان بچانے کے لیے بار بار بھاگنا پڑا تھا، کیوں کہ وہ باورچی خانے کی چھری لے کر اس کے کان کاٹنے دوڑی تھی۔ پروفیسر یاور مرزا کا دماغ بھی معطل سا ہو رہا تھا۔ ان کا دل ڈر رہا تھا کہ کیا کریں، کہاں جائیں۔ اسی مایوسی کے عالم میں وہ اس قدر حواس باختہ ہو رہے تھے کہ انھوں نے آج خان کو بھی فون نہیں کیا۔ کسی دوست سے ملاقات تک نہیں کی۔ سویرے کی ڈاک پر بھی نظر نہیں ڈالی۔ شام کا اندھیرا چھاتے ہی انھیں سارا گھر کاٹنے کو دوڑنے لگا۔ تمام روشنیاں آن تھیں۔ اس کے باوجود ان کا دم گھرا رہا تھا۔ ملازم بھی پریشان تھے، حالاں کہ انھیں علم نہ تھا کہ مالک پر کون سی آفت آنے والی ہے یا وہ کیوں پریشان ہیں۔ ان کی پریشانی اسی لیے تھی کہ پروفیسر خود پریشان نظر آ رہا تھا اور مالک کی پریشانی سے اظہارِ تعلق نہ کرنا وفاداری کی دلیل نہیں ہوتی۔ شام کے وقت پروفیسر اپنی کار پر شہر کا ایک چکر بھی لگا آئے تھے۔ لیکن اس فرار سے بھی کہیں سکون نہ ملا۔ وہ گھوم پھر کر گھر لوٹ آئے۔ انھیں نہ جانے کیوں یہ وہم ستا رہا تھا کہ آج ان کے خاندان کے کسی فرد کی ہی باری ہے اور قریبی تعلق میں تو اب صرف وہ اور ان کی لڑکی باقی رہ گئے تھے۔

چناں چہ دونوں میں سے ایک کی موت آج واقع ہونی تھی۔

موت کا تصور، خصوصاً ان حالات میں جب کہ اس کے کسی محدود وقفے میں واقع ہونے کا یقین ہو کس قدر بھیانک ہو جاتا ہے۔ یہ تو وہی جان سکتے تھے۔ ہر گزرتی گھڑی ایک بارِ گراں کی طرح ٹل رہی تھی اور ہر آئندہ لمحہ ایک سوہانِ روح خوف کا اثر پیدا کر رہا تھا۔ کھانے کی میز پر کھانا چنا پڑا رہ گیا اور کسی نے نہ کھایا۔ بلقیس کا تو خیر کوئی بھروسہ ہی نہ رہتا کہ وہ ان کے ساتھ میز پر کھائے گی، یا کہیں کھڑے کھڑے، یا کھائے بھی نہیں۔

۹ بجے کے بعد پروفیسر نے ملازموں کو رخصت کر دیا، جو باہر کوارٹرز میں چلے گئے۔ جنھیں اپنے گھر جانا تھا، گھر چلے گئے۔ موت کے سر پر پہنچنے کے تصور سے پروفیسر کے دل و دماغ میں ایک بے زاری سی پیدا کر دی تھی۔ اس نے تمام دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں۔ بوڑھا شکور اس وقت بھی موجود تھا۔ وہ انھیں چھوڑ کر جان پر تیار نہیں ہوا۔ ویسے بھی وہ ان کا بہت پرانا اور وفادار ملازم تھا۔ ڈاکٹر خود اپنے کمرے کا دروازہ پورا پورا کھول کر اور پردے ہٹا کر ایک گدے دار کرسی پر بیٹھا تھا۔ آتش دان روشن تھا، کیوں کہ بادلوں کے چھا جانے سے اور سرد و نم ہوا کے جھونکوں کی وجہ سے سردی کافی تھی۔ بلقیس باپ کے سامنے ہی سر جھکائے بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر کے مشورے پر انھوں نے اسے خواب آور گولیاں دے دی تھیں، تا کہ وہ ادھر ادھر بھاگ نہ سکے اور سو جائے۔ پھر بھی پروفیسر نے اسے اپنے سامنے ہی رکھا تھا۔

"طوطن خامن، تمہارا غصہ اگر میرے خاندان کی اتنی جانیں لے کر بھی ٹھنڈا نہیں ہوا تو مجھے بھی اب تمہارے قہر و غضب کی پرواہ نہیں۔ میں آج تمہاری بھیجی ہوئی موت کا استقبال کروں گا۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑائے اور پھر اٹھ کر ٹہلنے لگے۔ ان کی نظر بلقیس پر پڑی جو بیٹھے بیٹھے اونگھ گئی تھی۔

انھوں نے بڑی درد بھری نظر سے ایک بار اپنی پاگل لڑکی کو دیکھا اور سرد آہ کھینچ کر چھت کی طرف دیکھنے لگے۔

"پروردگار، اس کے بعد میرا کیا ہوگا اور اگر میں نہ رہا تو میرے بعد اس پاگل بے

سہارا لڑکی کا کیا ہوگا؟'' وہ چشمِ پرنم کے ساتھ دعائیہ انداز میں بڑبڑائے اور پھر ٹہلنے لگے۔ اتنے میں شکور آ کر سامنے کا دروازہ بند کرنے لگا، ہوا بہت تیز ہوگئی تھی اور باہر بارش شروع ہو چکی تھی۔

''رہنے دو، مت بند کرو، آنے دو اسے۔'' پروفیسر نے ملازم کو دیکھ کر چیخ کر بولا۔

''ابھی کون آنے والا ہے، حضور؟'' نوکر نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''میری موت۔ یا شاید اس معصوم کی۔'' پروفیسر نے کانپتی انگلی سے بلقیس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو آج سرکار؟'' شکور نے ہمت کر کے پوچھا۔

''کچھ نہیں، کچھ نہیں۔ تم نہیں سمجھو گے۔ تم جاؤ آرام کرو۔'' پروفیسر نے پریشان انداز میں سر کو جھٹکتے ہوئے بڑبڑا کر کہا۔

''آتش دان میں کوئلے اور ڈال دوں؟''

''نہیں، تم جاؤ، زندگی کے آخری لمحات میں مجھے کسی آرام کی ضرورت نہیں۔''

پروفیسر نے اسے تقریباً جھڑک دیا اور شکور کچھ نہ سمجھ کر سہما ہوا سا چلا گیا۔ لیکن دروازہ وہ پھر بھی بھیڑتا چلا گیا اور ڈاکٹر نے اس کی طرف توجہ بھی نہ کی۔ وہ پشت پر ہاتھ باندھے ٹہلتا رہا۔

ایک بار ہوا کا ایک جھونکا بڑی زور سے شور مچاتا آیا اور کھلی کھڑکی کے پٹ بار بار بجنے لگے۔ پروفیسر نے چونک کر دیکھا، باہر طوفانی رات میں موسلا دھار بارش کے ساتھ بار بار بجلی چمک رہی تھی۔

''میری بچی!'' وہ کانپتا ہاتھ اپنی سوئی ہوئی بیٹی کے ملائم بالوں پر پیار سے پھیرتے ہوئے بڑبڑایا۔ ''شاید آج کے بعد میں تیرا منہ کبھی نہ دیکھ سکوں یا تو میرا منہ کبھی نہ دیکھ سکے، مگر میری آخری دعا ہے کہ خدا تیرا دماغ ٹھکانے کر دے اور تو میرے بعد بھی زندہ و سلامت

رہے۔'' یہ کہتے کہتے پروفیسر کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اور کلیجہ جیسے منہ کو آنے لگا ہو۔اس وقت پروفیسر کو اپنی پاگل بیٹی پر اس قدر پیار آرہا تھا جتنا زندگی میں کبھی نہ آیا تھا۔شاید اسی لیے کہ یہ ایک ابدی جدائی سے قبل کی آخری گھڑیاں تھیں۔اب سے چند لمحوں کے بعد یا چند منٹوں کے بعد یا شاید چند گھنٹوں کے بعد وہ کبھی اپنی نورِ نظرت کی پیاری پیاری صوررت نہ دیکھ سکے گا۔اس نے آسمان تک کو ہلا دینے والی ایک دل دوز آہ کھینچی،مگر اس کی یاسیت اور بڑھ گئی۔

''خدا کو رحم کرنا ہوتا تو میرا خاندان یوں تباہ نہ ہوتا۔میں جانتا ہوں کہ وہ آج بھی رحم نہ کرے گا۔طوطن خامن، تیری بد دعا نے مجھ سے میری زندگی کے سارے سکھ چھین لیے ہیں۔ آج ...میں آج تیرے قہر سے خوف زدہ نہیں ہوں۔او ظالم فرعون کی ظالم روح، میں تیرے استقبال کے لیے تیار بیٹھا ہوں۔'' وہ تقریباً چیخنے لگا۔بار بار وہ کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑاتا،کبھی دروازے کی طرف،کبھی کھڑکیوں کی طرف،کبھی دیواروں پر کبھی چھت کی طرف۔ کمرے میں ان دوں باپ بیٹی کے سوا کوئی نہ تھا۔بیٹی غفلت میں پڑی تھی اور باپ پہلے سے مقرر کی ہوئی ایک بھیانک موت کا منتظر تھا۔

دیوار گیر گھڑی اب گیارہ بجا رہی تھی۔آبادی پر سکوت طاری ہو چکا تھا اور سردی اور بارش سے طوفان کی وجہ سے پہلے ہی لوگ اپنے مکانوں اور دریچے اور کھڑکیاں بند کر کے اپنے کمروں میں دبکے پڑے تھے۔ملازموں کے کوارٹرز تاریک تھے،شاید سو چکے تھے۔

اچانک بڑی زور سے بادل گرجے اور بجلی کی چکاچوند نے ماحول کو ھعۂ نور بنا دیا۔ پروفیسر بیٹھے بیٹھے چونک پڑا۔اس نے پھٹی پھٹی ویران نگاہیں کھڑکیوں اور دروازے کی طرف دوڑائیں اور پھر اس کا لرزتا ہاتھ تپائی پر رکھی برانڈی کی بوتل تک پہنچ گیا۔اس نے بمشکل ایک پیگ بھرا اور جلدی سے حلق میں انڈیل دیا۔اس کی نگاہیں کھلی کھڑکی کے لرزتے پٹوں پر جمی رہیں،جہاں سے بوچھار اندر آرہی تھی،لیکن اب اس میں سکت نہ تھی کہ اٹھ کر اسے بند کر سکے۔ کچھ دیر بعد جب برانڈی کی گرمی اس کی بوڑھی رگوں میں سرایت کر گئی تو وہ مٹھیاں بھینچ کر

چلایا۔

''تو آتی کیوں نہیں، اے موت۔ میں اب اور انتظار نہیں کر سکتا، مجھ سے اب اور ضبط نہیں ہوتا، میرا دم گھٹ رہا ہے، اف۔'' اور وہ اپنے گلے پر اس طرح ہاتھ پھیرنے لگا جیسے واقعی اس کا دم گھٹ رہا ہو۔ ٹھیک اسی وقت ہوا کا ایک جھکڑ چلا اور باہر کہیں کسی کتے کے رونے کی سی بھیانک آواز اس طوفان خیز سناٹے کو چیرتی سنائی دی۔

''وہ آ گئی...وہ آ گئی...اوہ...میں تیار ہوں...'' وہ پاگلوں کی طرح بڑبڑاتا دروازے کی طرف دوڑا۔ لیکن اس کے دروازے پر پہنچنے سے پہلے ہی دروازے کے دونوں پٹ آپ سے آپ ایک جھٹکے سے کھل گئے اور پروفیسر کا رواں رواں کھڑا ہو گیا۔ اس کی رگوں میں خون جیسے منجمد ہو گیا ہو اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

دروازے میں طوطن خامن کی لاش کھڑی تھی۔ سفید، مگر قدرے نیل گوں اور ستا ہوا چہرہ، پھولے ہوئے پپوٹوں والی خوف ناک آنکھیں، اس کے دونوں ہاتھ سینے پر بندھے تھے۔ ان میں سے ایک میں ایک سنہری چھڑی تھی اور دوسرے میں کرپال کے قسم کی کوئی سنہری چیز۔ سر پر سنہرا تاج تھا، جس کے سامنے کی سمت سانپ کا پھن بنا تھا اور سر سے ہو کر دونوں کندھوں تک دھاری دار اسکارف لٹک رہا تھا۔ وہ سنہری لباس پہنے تھا۔ بازو عریاں تھے، جن میں سنہرے کڑے پڑے تھے اور باہیں، پیر اور چہرہ بہت نیلا نظر آ رہا تھا۔

پروفیسر کے پیر کانپنے لگے اور وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ طوطن خامن کا زندہ بت یا اس کی روح آگے بڑھنے لگی۔ اس کا انداز خرام بڑا باوقار تھا۔ پروفیسر کے حلق میں آواز اٹک کر رہ گئی۔ صرف دونوں ہاتھ انکار میں ہلنے لگے۔

طوطن خامن کی لاش کی حرکت کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سی خوشبو کی لپٹیں کمرے میں پھیل رہی تھیں، وہ آگے بڑھتے بڑھتے ان کرسیوں کے قریب آ کر رک گئی۔ اس کی خوف ناک چمکیلی نظریں سوئی ہوئی بلقیس پر مرکوز ہو گئیں۔ پروفیسر نے اس کی طرف دیکھا اور لرز

اٹھا۔اسکے پیر کانپنے لگے اور وہ طوطن خامن کے سامنے دوزانو ہوگیا۔

''رحم کرو،طوطن خامن۔یہ میری آخری اولاد ہے۔یہ میری آخری نشانی ہے۔''

وہ گڑگڑیا،لیکن طوطن خامن نے جیسے سنا ہی نہیں۔اسکی نگاہیں بدستور بلقیس پر جمی رہیں۔

''خدا کے لیے رحم کرو،اے فرعون کی روح۔میری بچی پر رحم کر۔''پروفیسر نے پھر التجا کی،مگر طوطن خامن نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

''او ظالم،اتنی جانیں لے کر بھی اگر تیرے قہر وغضب کی آگ سرد نہیں ہوئی ہے تو مجھے لے چل،میری جان لے لے،مگر میری اس معصوم بچی کو بخش دے۔''پروفیسر اپنے گریبان کو جھٹکے سے پھاڑتے ہوئے چیخا۔''کم از کم میری اتنی التجا تو قبول کر لے،طوطن خامن۔میری بیٹی کی جگہ مجھے لے چل،میں تیار ہوں۔''

یہ کہتے کہتے پروفیسر رو پڑا۔اس وقت طوطن خامن کی لاش نے نگاہیں ترچھی کر کے اس کی طرف دیکھا۔اس کے چہرے پر حقارت کے تاثرات نمایاں ہوئے پھر اس نے اپنے بازو کھول دیے۔

اس نے دونوں بازو بلند کیے اور پروفیسر کی آنکھوں میں گھورنے لگی۔پروفیسر ان خوف ناک نگاہوں کی تاب نہ لاسکا،اسے جھرجھری سی آگئی،مگر اس کی نظریں طوطن خامن کے چہرے سے نہ ہٹیں۔کچھ دیر تک اس کی لاش اسی طرح کھڑی رہی،پھر اس نے سنہری چھڑی ہلا کر پروفیسر کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پلٹ کر دروازے کی طرف چلنے لگا۔پروفیسر کسی سحر زدہ آدمی کی طرح اس کے پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# پروفیسر کی لاش

پروفیسر یاور مرزا کی لاش کو چاروں طرف سے پولیس آفیسرز نے گھیر رکھا تھا۔ان میں پریس فوٹو گرافرز اور پولیس فوٹو گرافرز بھی شامل تھے۔لاش کے فوٹو لیے جا چکے تھے اور پریس والے سب سے زیادہ اس واقعے میں اس لیے دل چسپی لے رہے تھے کہ ڈاکٹر ہاورڈ کارٹر کے خاندان کی تباہی کے بارے میں طوطن خان کی بد دعا سے متعلق روایات پہلے بھی کئی بار دنیا کے اخباروں میں شائع ہو چکی تھیں اور یہ تازہ واقعہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔تمام لوگ حیرت وافسوس کی نظروں سے اس معزز آدمی کی لاش کو دیکھ رہے، تھے جو آثارِ قدیمہ کے مستند ماہرین میں سے ایک تھا۔ایک اتنے مشہور معزز آدمی کی اس قدر پراسرار موت بڑی سنسنی خیز تھی۔

اس کی خبر اخباروں میں اگر چہ ابھی شائع نہیں ہوئی تھی، لیکن محض چہ مگوئیاں ہی شہر کے بہت سے لوگوں تک پہنچ چکی تھیں اور وہ اس پر حیران تھے۔نتو خان نے کسی کو یہ بتایا تھا کہ پروفیسر کی موت کیوں واقع ہوئی ہے نہ پروفیسر کے یہاں کوئی بناتے والا تھا، پھر بھی طوطن خامن کی بد دعا سے متعلق پراسرار روایات شہر میں پھیل گئی تھیں، یہ بات حیران کن تھی۔ اخبارات کو ۱۹۲۲ء میں طوطن خامن کے مقبرے کو کھودنے والی ڈاکٹر ہاورڈ کی ٹیم کے متعلق علم تھا اور ڈاکٹر ہاورڈ کے خاندان کی تباہی کی سنسنی خیز داستان پہلے بھی دنیا بھر کے اخبارات میں شائع ہو چکی تھی، لیکن اخباروں کو تو اس موت کی اطلاع بھی ابھی ملی تھی اور اسے شائع ہونے میں کم از کم ایک دن درکار تھا۔پھر بھی اس موت کا تعلق اسی پراسرار سلسلے سے قائم کیا جا رہا تھا۔

پروفیسر کی لاش اس کے بنگلے کے باغیچے میں ہی پڑی تھی۔اسے کسی زہریلے سانپ نے کاٹا تھا، جس کے دانتوں کے نشانات اس کے ایک پیر کے ٹخنے کے قریب نظر آ رہے تھے

اوراس کے ملازموں میں سے کسی کو علم نہ تھا کہ رات کو اس پر کیا گزری، صرف ایک بوڑھے شکور نے اتنا بتایا تھا کہ اس نے رات کو گیارہ، ساڑھے گیارہ بجے ایک سائے کو باغ میں ٹہلتے دیکھا تھا اور یہ سمجھ کر کہ وہ پروفیسر ہی ہے۔ اس نے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ پھر اچانک اس نے پروفیسر کے کراہنے کی آواز سنی اور وہ اپنی لالٹین لے کر دوڑا۔ مگر کوارٹر کے باہر نکلتے ہی لالٹین ہوا کے جھونکے سے بجھ گئی اور جب وہ اسے دوبارہ جلانے کے لیے اپنے کمرے میں واپس گیا تو اسے کمرے میں ایک بڑی تیز اور عجیب سی خوشبو پھیلی نظر آئی۔ وہ حیران تو ضرور ہوا، لیکن اسے پروفیسر کی زیادہ فکر تھی اور چناں چہ وہ ماچس تلاش کرنے لگا اور اتنی ہی دیر میں اس کو وہ تیز بو اپنے دماغ پر مسلط ہوتی محسوس ہوئی، اسے چکر آنے لگے اور پھر اسے ہوش نہیں کہ کیا ہوا۔

ان پولیس آفیسرز میں سپرنٹنڈنٹ خان کے علاوہ اس کے محکمے کا ڈی آئی جی بھی موجود تھا اور وزارت داخل کا انڈر سیکریٹری بھی خبر پا کر آپہنچا تھا۔ اس نے ڈی آئی جی سے خصوصی طور پر پروفیسر کی حفاظت کی سفارش کی تھی۔ پروفیسر کا یہ انجام دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اور جب خان نے اسے بتایا کہ پروفیسر کی حفاظت کے لیے جس سارجنٹ اور اس کے اسسٹنٹ کو مقرر کیا گیا تھا، وہ خود اس وقت تک اسپتال میں بے ہوش پڑے ہیں تو اس نے کچھ ایسی نظروں سے اسے دیکھا جن میں بے اعتباری اور کسی قدر نفرت جھلک رہی تھی۔

''مسٹر خان، اگر آپ چاہتے ہوں کہ میں ایسی فضول روایات کو تسلیم کرلوں تو میں آپ کے بارے میں کوئی شان دار رائے نہیں قائم کرسکتا۔'' صرف اتنا ہی کہہ کر وہ اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا اور رخان بغیر ایک لفظ کہے اسے دیکھتا رہ گیا۔ یقیناً یہ ریمارکس بڑے حوصلہ شکن تھے اور خان محسوس کرنے لگا کہ آیا واقعی اس نے محض بالے اور رؤف کو پروفیسر کی حفاظت کے لیے کافی سمجھ کر بھول کی تھی یا طوطن خامن کی بد دعا کو ایک روایت سمجھ کر اس کی اہمیت کا احساس نہ کرنے میں اس کی بھول تھی۔ بہر صورت دونوں پہلوؤں سے وہ بڑی حد تک اس واقعے کا ذمہ

دار تھا اور چاہے یہ کسی مافوق الفطرت طاقت کا ہی کارنامہ کیوں نہ ہو، اس کا خود اس موقع پر موجود نہ ہونا اس کے اپنے ضمیر پر ایک بوجھ سا بن گیا۔ وہ ڈی آئی جی سے اجازت لے کر وہاں سے چل دیا۔ اس نے بلقیس کی بھی خبر نہ لی جو برآمدے میں کھمبے سے ٹکی گم سم کھڑی تھی۔ اس واقعے کے بعد سے نہ تو اسے روتے دیکھا گیا تھا نہ ہنستے، نہ کسی سے بات کرتے۔ اسے جیسے سکتہ ہو گیا تھا اور پاگل پن کی علامتیں اس کے چہرے پر اس وقت نظر نہیں آ رہی تھیں۔

سارجنٹ بالے نے ہوش میں آتے ہی بڑبڑانا شروع کر دیا۔

''طوطن خامن، طوطن خامن، مجھے معاف کر دے۔ میں تیرے راستے میں نہیں آؤں گا۔''

''بالے، ہوش میں آؤ۔'' خان نے اسے بازو سے تھام کر جھنجوڑا اور بالے نے آنکھیں کھول دیں۔ پہلے اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا اور جب ایک ڈاکٹر اور دو نرسوں کے درمیان اسے سپرنٹنڈنٹ خان کا چہرہ نظر آیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ خان اس کے پاس ہی اسٹیل کی تپائی پر بیٹھ گیا۔

''یہ نازک مزاج عوتوں کی طرح بے ہوش کیوں ہو گئے تھے تم؟'' خان نے پوچھا۔

''لاحول ولاقوۃ۔ آپ... آپ ابھی تک وہم ہی سمجھ رہے ہیں۔'' بالے نے جھنجلا کر کہنا چاہا، مگر خان نے اس کی بات کاٹ دی۔

''نہیں، یہ حقیقت تھی کہ تم نے پانچ ہزار سال پرانی طوطن خامن کی لاش کو اپنے سامنے چلتے پھرتے دیکھا تھا اور خدا نے رحم کیا کہ تمہارا ہارٹ فیل نہیں ہوا، صرف غشی طاری ہو گئی اس کے خوف سے۔'' خان کے لہجے میں طنز تھا۔

''آپ مذاق اڑا رہے ہیں میرا۔ لیکن یقین نہیں تو رؤف بھائی سے پوچھ لیجیے۔'' بالے نے احتجاج کیا۔

''وہ تم سے زیادہ مولوی قسم کا آدمی ہے۔ مگر تم جانتے ہو رات کیا ہو گیا؟'' خان نے

اس سے پوچھا۔

''پروفیسر مرزا یا ان کی لڑکی میں سے کسی کی موت واقع ہوگئی ہوگی۔'' بالے نے بڑی سادگی سے کہا۔

''ہائیں، تو یہ تمھیں معلوم تھا؟'' خان چونک پڑا۔ ''اور پھر بھی تم بے ہوش ہوگئے؟''

''میں اسی وقت سمجھ گیا تھا، لیکن میں کچھ نہیں کرسکتا تھا، اس کی یہی مہربانی کہ مجھے پہلے سے وارننگ دینے کے باوجود اس نے مجھے زندہ چھوڑ دیا۔'' بالے کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔

''بے شرم، اس طرح زندہ رہ جانے کو تم قابلِ فخر سمجھ رہے ہو؟'' خان کا لہجہ اچانک تلخ ہوگیا۔ ''تمہارے ہوتے ہوئے پروفیسر کی موت واقع ہوگئی اور تم اس پر شکر کر رہے ہو کہ تمہاری جان بخش دی گئی۔''

''یہ کوئی سلسلہ جرائم نہیں تھا کہ میں بہادری دکھاتا۔ ایک فرعون کی بد دعا اپنا کام کر رہی تھی۔ پھر اس میں کون دخل دے سکتا تھا۔'' بالے نے بھی صاف جواب دے دیا۔

''اوہ، میں نہیں سمجھا تھا کہ تم اتنے نکمے نکلو گے۔'' خان نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ ڈاکٹر اورنرس حیرت و خموشی سے ان کی یہ عجیب گفتگو سن رہے تھے۔ خان سے ضبط نہ ہوسکا تھا، اس لیے ان کے سامنے ہی بالے پر بگڑ گیا تھا۔

''میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ وہاں میں کیا، کوئی بھی ہوتا تو کچھ نہ کرسکتا تھا۔ ایک مافوق الفطرت وجود سے کوئی مادی طاقت کیا ٹکراتی؟'' بالے نے اپنی صفائی پر اصرار کیا۔

''آخر ایسا کیا دیکھا تھا تم نے جو تم اپاہج ہوگئے؟''

''کچھ بھی نہیں۔ میں کسی بھی واقعے کے انتظار میں برآمدے کے نزدیک ایک تاریک گوشے میں بارش سے بچ کر دیوار کے ساتھ چپکا ہوا ایک پتھر پر بیٹھا تھا، جب اچانک ویسی ہی عجیب سی خوش بو پھیلنے لگی جیسی اس دن ہم نے خواب میں محسوس کی تھی۔ میں نے چونک کر نتھنے سکوڑ لیے اور دو چار لمبی سانسیں ہی لی تھیں کہ میرا سر چکرانے لگا اور پھیپھڑے جیسے وزنی

ہو گئے ہوں۔مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور اس وقت میں نے بند ہوئی آنکھوں سے اسے صاف دیکھا۔وہی فرعون، وہی طوطن خامن، جسے میں خواب میں دربار کے تخت پر دیکھ چکا تھا، بالکل اسی انداز میں سینے پر ہاتھ باندھے روشن برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں داخل ہو رہا تھا۔میں نے یہاں تک دیکھا کہ سامنے والا بند دروازہ آپ سے آپ کھل گیا اور وہ اس میں داخل ہو گیا۔اس وقت میں نے رؤف کو پکارنا بھی چاہا تو میری زبان لڑکھڑا گئی، مجھے کچھ ہوش نہیں کہ پھر کیا ہوا، مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ رؤف پر کیا گزری۔"بالے نے اسے بتایا۔

"رؤف کا بھی یہی بیان ہے، تعجب ہے؟" یہ کہہ کر خان خود سوچ میں پڑ گیا، جیسے خود اسے بھی اس واقعے پر کسی روحانی انتقام کا شبہ ہو چلا ہو۔

"میری درخواست ہے کہ اس جھگڑے میں نہ پڑیے، ورنہ اس کا عتاب کہیں ہم پر بھی نازل نہ ہو جائے۔"بالے نے گویا اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"خیر، وہ میں پھر سوچوں گا، پہلے تم گھر چلو۔" یہ کہہ کر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوا لیکن ڈاکٹر شاید سمجھ چکا تھا کہ وہ کیا پوچھنے والا ہے۔

"آپ شوق سے انھیں لے جا سکتے ہیں، انھیں کوئی ضرب یا صدمہ نہیں پہنچا ہے، صرف ان کی یہ طویل بے ہوشی ہی کچھ تعجب خیز معلوم ہوتی تھی۔"ڈاکٹر نے خود کہہ دیا۔

"شکریہ۔"خان نے صرف اتنا ہی جواب دیا اور پھر بالے کو لباس تبدیل کر لینے کی ہدایت کر کے باہر نکل گیا۔ڈاکٹر نے عجیب سی نظروں سے نرس کی طرف دیکھا۔

"تمہارے کچھ پلے پڑا؟" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں اس سے پوچھا۔

"مجھے تو دونوں کا دماغ خراب معلوم ہوتا ہے۔"نرس آہستہ سے یہ کہہ کر ہنس پڑی اور پھر تینوں باہر چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆

# شوکت اور شامت

بلقیس ڈاکٹر سید کے سامنے کرسی پر سر جھکائے اداس بیٹھی تھی اور سپرنٹنڈنٹ خان پاس والی نشست پر تھا۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔

''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی اچانک اور بڑے صدمے سے ان کا دماغ خراب ہوگیا تھا اور پھر ویسے ہی کسی بڑے صدمے سے درست بھی ہوگیا ہے۔''

''ممکن ہے بھائی یا ماں کی موت کا صدمہ رہا ہو۔'' خان نے یہ کہہ کر بلقیس کی طرف دیکھا۔ بلقیس نے بھی چونک کر نگاہیں اٹھائیں، مگر پھر کچھ کہے بغیر نیچی کرلیں۔ وہ کھوئی کھوئی سی نظر آرہی تھی۔ انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے خان کو کبھی نہ دیکھا ہو۔

''میں تو اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت یہ بالکل ٹھیک ہیں۔'' ڈاکٹر سید نے رائے دی۔

''میں سے لے جا سکتا ہوں؟''

''شوق سے، اسے کسی دوا کی نہیں صرف تسلی کی ضرورت ہے۔'' ڈاکٹر سید نے رائے دی۔

''کیا آپ نے اس سے اس کی لوٹی ہوئی یادداشت سے متعلق کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی؟''

''میرا خیال ہے آپ مجھ سے بہتری کام کرسکتے ہیں۔'' ڈاکٹر سید مسکرایا۔

''چلو، بے بی۔'' خان اب براہِ راست بلقیس سے مخاطب ہوا۔

''کہاں؟'' وہ چونک کر معصومیت سے بولی۔

''تمہارے گھر۔''

Akram Allahabadi

''گھر کہاں ہے اب میرا، وہ تو گئے۔'' وہ کھوئے گم زدہ انداز میں بولی۔

''کون گئے؟''

''ڈیڈی!'' یہ کہہ کر وہ دونوں ہاتھوں کو منہ پر رکھ کر پوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''گھبراؤ نہیں، تم اکیلی نہیں ہو۔ میں تمہارے ڈیڈی کا دوست ہوں، میں تمہارا غم بٹاؤں گا۔'' خان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے چمکارا۔

وہ خموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور خان کے ساتھ چلنے لگی اس کے جسم پر سادہ گھریلو کپڑے تھے جو شاید ملازم نے لا کر دیے تھے۔

گھر پہنچ کر اس کے آنسو پھر پھوٹ پڑے اور وہ سسکیاں لینے لگی۔ پڑوس کے بنگلے سے اسی وقت میونسپل کمشنر مسٹر گٹونڈے کی بیوی اور لڑکیاں پُرسے کو آ پہنچیں اور انھوں نے اسے سنبھال لیا۔ خان پروفیسر یاور مرزا کے نوکروں کو ضروری ہدایات دے کر چل دیا۔ اس وقت گھر کے سب ہی ملازم موجود تھے اور ان کے چہرے فرطِ غم سے لٹکے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

''گاڑی یہاں روک دو۔'' بالے نے شوکت کو اشارہ کیا۔

''اے لو، اس کباڑ خانے میں کیا کام ہے تمارا؟'' شوکت نے تعجب سے کہا۔

''جب تک میں واپس نہ لوٹوں، جانا نہیں۔'' بالے نے اس کی بات ان سنی کر کے کہا۔

''واوا، کوئی میں وہ ہوں یا نی چڑی کا غلام؟''

''نہیں تم میرے باپ ہو، بس اب تو ٹھہرو گے۔''

''تمارا کیا بھروسہ، آج آؤ، کل آؤ، پرسوں آؤ اور پرسوں نئیں آؤ۔''

''تو تم فاتحہ پڑھ کے چلے جانا میرا۔''

Akram Allahabadi

"اورلو، کوئی میں حافظ زیارت علی ہوں، اپنا فاتیا پڑھواؤ کسی مولوی ملّا سے، میاں خاں۔"

"خیر، اگر میں پندرہ منٹ تک نہ آؤں تو تم جاسکتے ہو۔" یہ کہہ کر بالے لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا گھڑیال گودی کے یارڈ میں داخل ہوگیا۔ دروازے پر یہاں مسلح سپاہی موجود تھا، جس نے اسے روکنا چاہا مگر جب اس نے اپنا شناختی کارڈ اسے دکھایا تو وہ ادب سے ایک طرف ہٹ گیا۔

یہاں ڈسپوزل کا مال بے ترتیب حالت مُں پڑا ہوا تھا۔ جگہ جگہ کپڑوں کی گانٹھیں، لوہے کے سامان اور پیک کیے ہوئے باکس کے ڈھیر جمع تھے اور بہت سے مزدور اوران کے نگراں کام میں مصروف تھے۔ یارڈ کے دوسرے سرے پر ایک کرین وزنی سامان اٹھا اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھ رہی تھی۔ کرین کا آپریٹر ایک سیاہ فام آدمی تھا۔ وہ ننگے سر تھا اور اس کے گھونگھریالے بال دور سے نظر آرہے تھے۔

بالے ایک ڈھیر کی آڑ میں ہوکر اسے غور سے دیکھنے لگا۔

ٹھیک اسی وقت باہر شوکت کار میں بیٹھا ہوا سڑک پر موٹر سائیکل پر جاتے ہوئے ایک نوجوان جوڑے کو بڑی حسرت سے دیکھ رہا تھا کہ ایک باریک نسوانی چیخ نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ وہ چونک کر مڑا ہی تھا کہ اسے ایک بھرے بھرے گداز بدن کی خوب صورت سی زرد رنگ لڑکی اس کی کار کی طرف دوڑتی نظر آئی اور کافی فاصلے پر دو خوں خوار سی شکل کے آدمی اس کا پیچھا کرتے بھی دکھائی دیے۔ لڑکی کا لباس نیم عریاں تھا۔ اس کی گوری گوری باہیں اور سڈول پنڈلیاں شوکت کی توجہ کا مرکز بن گئیں، مگر وہ اس وقت گھبرا گیا جب وہ لڑکی بجلی کی سی تیزی سے اس کی کار کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

"خدا کے لیے مجھے بچایے، جلدی بھگایے گاڑی۔" وہ التجا کرنے لگی۔

"ارے مگر...؟"

Akram Allahabadi

''میں آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں، ورنہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ بھگایئے گاڑی۔''اس نے روندھی صورت بنا کر دوبارہ التجا کی۔

''اے لو، مگر بات کیا ہے؟''شوکت نے گھبراہٹ میں کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''میں سب کچھ بتا دوں گی، مجھے اس وقت ان بدمعاشوں سے بچا لیجیے۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ شوکت ک کندھے پر رکھ دیا۔شوکت کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔بوکھلاہٹ میں اس نے گاڑی کو تیز رفتار پر چھوڑ دیا اور جب ایک بار مڑ کر دیکھا تو وہی دونوں آدمی ایک ٹیکسی میں اس کی کار کا پیچھا کر رہے تھے۔

کار کو ڈاج دینے کے طریقے وہ بالے کی صحبت میں سیکھ چکا تھا۔اس نے مختلف گلیوں میں گاڑی گھما گھا کر بالآخر تعاقب کرنے والوں کو ڈاج دے ہی دیا اور تب اطمینان کی سانس لی۔گاڑی کی رفتار دھیمی کرتے ہوئے اس نے لڑکی سے پوچھا۔

''اب میں کیا کروں آپ کا؟''

''اب مجھے میرے گھر پر چھوڑ دیجیے۔''لڑکی بڑے ممنون لہجے میں بولی۔

''اے لو تو کیا میں کوئی علم النجوم ہوں جو مجھے آپ کے گھر کا پتا معلوم ہو جائے گا۔'' شوکت نے بھولے پن سے کہا۔

''میں بتاتی ہوں نا...،آپ گاڑی کارٹر روڈ کی طرف لیجیے۔''لڑکی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے کہا اور شوکت نے گاڑی کا رخ کارٹر روڈ کی طرف کر دیا۔لڑکی نے شوکت کی کار ایک دومنزلہ نئی عمارت کے سامنے رکوا دی اور گاڑی سے اتر گئی۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ۔اب آیئے نا مجھے بھی کچھ خاطر کر لینے دیجیے۔''لڑکی کے لہجے میں التجا تھی۔

''ارے نہیں، تکلف کاہے کو کر رئی ہیں آپ۔''

''کمال ہے؟ آپ نے میری عزت بچائی اور میں اتنا بھی نہ کروں۔نہیں، میں آپ کو اس طرح نہیں جانے دوں گی۔آپ میرے ہیرو ہو۔''

اس نے کچھ ایسے انداز سے یہ جملہ ادا کیا کہ شوکت کی سات پشتوں کو جوش آ گیا۔ ایک حسین نوجوان لڑکی اسے ہیرو بنا رہی تھی۔''ایسی تیسی بالے بھائی کی، اپن کون خان سے کم ہیں۔'' وہ سینہ پھلا کر زیرِ لب بڑبڑایا پھر کار کے ڈیش بورڈ سے چابی نکال کر نیچے اتر گیا۔دونوں اس عمارت میں داخل ہو گئے۔زینے پر پہلی منزل تک تو انھیں کوئی نہ ملا۔پہلی منزل پر ہی ایک فلیٹ کے دروازے پر وہ رک گئی اور گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔چند سیکنڈ کے بعد ہی ایک موٹی سی زرد رو عورت نے دروازہ کھولا۔وہ لڑکی کو دیکھتے ہی جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔

''آیئے۔'' لڑکی نے کہا اور شوکت کی اندر کی طرف رہنمائی کرنے لگی۔

وہ ایک شان دار ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے، جہاں ہندوستان طرز کے فرنیچر کے ساتھ ساتھ میزوں پر مینٹل پیس، قدیم مصری طرز کے تھے اور دیواروں پر بڑی بڑی تصاویر فریم میں آویزاں تھیں جو رومن آرٹ کے نمونوں سے ملتی جلتی تھیں۔زیادہ تصاویر حسن و شباب سے بھرپور عریاں عورتوں کی تھیں، جنہیں دیکھتے ہی شوکت نے گھبرا کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

''اللہ توبہ، لاحول ولاقوۃ۔''

''کیا ہوا آپ کو؟'' لڑکی نے پلٹ کر اس سے پوچھا۔

''نہیں، یانی ... یہ ... یہ سالی ننگی تصویریں ...'' شوکت نے جھجکتے ہوئے پھر آنکھیں کھول کر کہا۔''آپ انھیں کپڑے کائے کو نئیں پناتی ہیں۔''

لڑکی اس کی اس بے وقوفی پر ہنس پڑی۔

''نہیں، یانی میرا مطلب ہے کہ اس آرٹسٹ کو پکڑ کے اس سے پہنوایے۔'' شوکت نے مزید وضاحت کی۔لڑکی نے اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور شوکت ان تصویروں کی طرف سے رخ پھیر کر بیٹھ گیا، پھر بھی وہ کبھی انھیں اور کبھی اس لڑکی کے سڈول بدن کو چور

نظروں سے دیکھتا جاتا تھا۔

''میں ابھی آئی۔'' وہ یہ کہہ کر اٹھی اور دوسرے دروازے سے باہر نکل گئی۔شوکت نے ایک بار چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ کوئی اسے دیکھ نہیں رہا ہے اطمیان سے ان عریاں تصویروں کو دیکھنے لگا۔وہ لڑکی جس کا ابھی تک شوکت نے نام بھی نہ پوچھا تھا، کچھ دیر بعد ہی واپس آ گئی۔اس بار اس کے ساتھ دو آدمی تھے۔دونوں لمبے تڑنگے اور تن درست تھے۔

''سلام علیکم۔''شوکت گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور انھیں سلام کرنے لگا۔

''وعلیکم السلام۔''ان میں سے ایک بھاری آواز میں مسکرا کر بولا۔اور دونوں قریب آ کر اچانک اسے دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔

''ارے ارے، یہ کون سا مصافا ہے؟''شوکت گھبرا گیا۔

''ہم آپ کی خاطر کر رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر انھوں نے اسے بازوؤں سے اوپر اٹھا لیا۔

''ارے ارے۔''شوکت ان کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگا۔لیکن انھوں نے زبردستی اسے ایک کمرے میں ڈھکیل کر اس کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

اندر سے اس کمرے کا دروازہ پیٹنے کی آواز بھی ان کے قہقہوں میں دب کر رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# کرین سے حملہ

کرین آپریٹر نے اچانک ایک جھٹکے سے کرین کا رخ پلٹا اور زنجیر میں لٹکا ہوا ہک بالے کے سر کے ٹکڑے اڑا دیتا اگر وہ اس کا سایہ دیکھ کر تیزی سے جھک نہ گیا ہوتا۔

''اے، کہاں گھسے آرہے ہو، دیکھ کے چلو۔'' کرین آپریٹر وہیں سے چیخا۔لیکن بالے اس کی طرف بڑھتا ہی گیا۔ڈرائیور کے چہرے پر کچھ فکر کے آثار نمودار ہوئے،اس نے ایک بار بڑی تیزی سے کرین کو موڑا اور اتنی تیزی سے اوپر سے زنجیر سمیت ہک اس پر گرایا کہ کوئی اور ہوتا تو یقیناً اس کا کچومر نکل جاتا،لیکن بالے شاید اس کے لیے پہلے ہی تیار تھا۔وہ اس ہک کر پکڑ کر اس سے لٹک گیا۔کرین آپریٹر کچھ نروس سا ہو گیا۔اس نے بار بار ہک کو جھٹکے دینا شروع کر دیے،لیکن بالے ہک سے لٹکا ہی رہا اور ایک بار موقع پا کر اس نے زمین پر چھلانگ لگا دی۔وہ تیزی سے کرین پر جھپٹا ہی تھا کہ قریب ہی کام کرتے ہوئے دو مزدور اچانک اس پر لوہے کی سلاخیں لے کر دوڑ پڑے۔اگر اس وقت وہ حواس کو قابو میں رکھ کر بجلی کی سی تیزی سے ریوالور نہ نکال لیتا تو وہ وار کر چکے ہوتے لیکن جیسے ہی ایک کے پیر پر گولی پڑی دوسرا بھاگ اٹھا۔اسی وقت کرین سے آپریٹر اتر کر شیڈ کی طرف بھاگا،مگر بالے نے اسے جا لیا۔پیچھے سے جست کر کے اس نے اسے زمین پر گرا دیا۔آپریٹر بالے سے کم از کم دوگنا طاقت ور اور جسیم معلوم ہوتا تھا۔بالے کے دو گھونسوں میں اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کے منہ سے ایک عجیب سے لہجے میں الفاظ نکلنے لگے، جو بالکل ان الفاظ سے ملتے جلتے تھے جو اس رات خواب میں طوطن خامن کے دربار میں مُردوں نے بولے تھے۔بالے چونک پڑا،مگر اتنی دیر میں وہ الٹ کر اوپر آ گیا اور اس نے مضبوط ہاتھوں سے بالے کا گلا دبانا شروع کر دیا۔لڑائی کے فن سے وہ زیادہ واقف نہ معلوم ہوتا تھا، کیوں کہ دوسرے ہی لمحے بالے کے گھٹنے اس زور سے اس کی

پیٹھ پر پڑے کہ وہ بالے کے اوپر سے ہوکر اوندھا جا گرا۔ بالے نے لیٹے ہی لیٹے الٹی جست کی اور اس کے اوپر جا پڑا۔ وہ جسیم نہ سہی، لیکن اس کے گھونسے بہت مضبوط تھے۔ آپریٹر نے منہ سے خون اگل دیا اور ہانپنے لگا۔ اتنے میں بھاگا ہوا مزدور پھر سلاخ لے کر بالے کی پشت پر آیا اور چاہتا تھا کہ وار کر کے اس کا سر پھاڑ دے کہ ایک فائر ہوا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ بالے آپریٹر کو گریبان سے اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، سپرنٹنڈنٹ خان سامنے سے آرہا تھا۔ ریوالور کی نال پھونک کر اس نے اسے ہولسٹر میں ڈال لیا اور بالے کے قریب آگیا۔

''شاباش، آج کچھ پہلوانی دکھائی تم نے۔'' خان نے اس کی پیٹھ ٹھونکی۔ بالے نے جیب سے ہتھکڑی نکال کر آپریٹر کے ہاتھ میں ڈال دی۔

''اس کی شکل غور سے دیکھو، کیا تم نے اسے اس رات خواب میں دیکھا؟'' خان نے بالے سے پوچھا۔

''میں خود بھی ذہن پر زور دے رہا ہوں، میں اس کے بے ساختہ الفاظ سن چکا ہوں۔'' بالے اسے گھورنے لگا۔ پھر خان نے پلٹ کر اس آدمی کو دیکھا، جس کے پیر میں بالے نے گولی ماری تھی۔ وہ چونک پڑا کیوں کہ اس کے ہاتھ میں اس وقت ایک چمک دار خنجر تھا جو وہ بالے کی پشت پر کھینچ کر مارنا چاہتا تھا۔ خان کا ریوالور پھرتی سے نکلا اور اس کی نال سے شعلہ نکلتے ہی اس آدمی کا ہاتھ جھول گیا۔ بالے نے چونک کر پیچھے دیکھا، پھر خان کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

''میں سمجھتا ہوں میں نے اس آپریٹر کو خواب میں دیکھا تھا۔'' بالے بولا۔ ''اسے اگر ایک پیتل کا کنپٹیوں تک سر ڈھانکنے والا خول پہنا دیا جائے تو یہ طوطن خامن کے دربار کا ایک محافظ بن جائے گا۔'' بالے اس کے چہرے کو دوبارہ غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ آدمی اسے خوں خوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

''اور اب بھی تم اس خواب پر یقین رکھتے ہو؟'' خان نے طنز کیا۔

''مجھے سوچنے سمجھنے کا موقع دیجیے۔'' بالے سادگی سے بولا۔

''خیر، انھیں لے چلو، میری کار باہر کھڑی ہے۔'' خان نے اس آدمی کو آگے کی طرف ڈھکیلتے ہوئے کہا۔ اسی وقت گودی کا واچ اینڈ وارڈ کا آفیسر آ پہنچا۔

''فائر آپ میں سے کس نے کیا تھا؟'' اس نے بگڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ جس پر قیدی فوراً بول اٹھا۔

''ہاں ہاں، یہ ڈاکو ہیں۔ میرے دشمن ہیں۔ مجھے کرین سے اتار کر انھوں نے گرفتار کیا ہے۔''

''کیا بات ہے، یہ آپ لوگ بغیر اجازت اندر کیسے داخل ہوئے؟'' یہ کہہ کر آفیسر نے اپنا پستول نکال لیا۔

''آپ کو ملاحظہ فرمایے۔'' بالے اس کی طرف اشارہ کر کے ہنس پڑا۔

''یہ غنڈہ گردی یہاں نہیں چلے گی۔'' آفیسر گرجا۔

''کیا آپ کو اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی نظر نہیں آ رہی؟'' خان نے آپریٹر کی طرف اشارہ کر کے اس سے پوچھا۔

''ہاں، تو پھر؟'' آفیسر نے کچھ نہ سمجھ کر پوچھا۔

''آپ کو سیکیورٹی آفیسر یہاں کس گدھے نے بنا دیا ہے؟'' خان جھلا گیا۔ ''کیا پولیس کے علاوہ بھی کوئی ہتھکڑیاں جیب میں لے کر گھومتا ہے؟''

''پولیس؟'' وہ چونکا۔ ''تو آپ کو اپنا کارڈ دکھانا چاہیے تھا۔''

''میں گیٹ پر دکھا چکا ہوں۔'' بالے برا سا منہ بنا کر بولا۔

''میں پھر بھی دیکھنا چاہوں گا۔'' سیکیورٹی آفیسر نے اعتراض کیا۔

''دیکھیے۔'' خان نے اپنا شناختی کارڈ نکال کر سامنے کر دیا۔ وہ دیکھ کر چونک پڑا۔

''آئی ایم ساری۔'' وہ کارڈ دیکھ کر بولا۔ ''آپ اس کے باوجود ہماری حدود سے

ہماری اجازت کے بغیر کسی کو گرفتار نہیں کر سکتے ۔‘‘سیکیورٹی آفیسر نے کہا۔

’’یعنی آپ کا مطلب ہے کہ ہم انھیں چھوڑ دیں؟‘‘خان نے پوچھا۔

’’قطعی،آپ ہماری حدود کے باہر انھیں گرفتار کر سکتے ہیں۔‘‘وہ بولا۔

’’تو آپ بھی ہمارے ساتھ ہی تشریف لے چلیے ۔‘‘خان کا لہجہ بدل گیا۔

’’کیا مطلب؟‘‘

’’مطلب یہ کہ آپ بھی ان کے ساتھی معلوم ہوتے ہیں۔‘‘خان نے یہ کہہ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

’’م...میں...‘‘ وہ اس انقلاب پر گھبرا گیا۔’’م...مگر...میں تو سیکیورٹی آفیسر...‘‘

’’مجھے افسوس ہے۔‘‘خان نے کہا اور اسے بھی آگے کی طرف ڈھکیل دیا۔ بالے نے اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔

جب وہ گیٹ پر آئے تو خان کو سیکیوریٹ آفیسر کے چہرے پر شرمندگی کے آثار دیکھ کر رحم آ گیا۔اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور بالے سے لے کر اس کا پستول اسے واپس کرتے ہوئے بولا۔

’’آئندہ پولیس کے کام میں اس قسم کی مداخلت کی کوشش نہ کیجیے گا، ہم بلا وجہ کسی کو گرفتار نہیں کرتے۔‘‘وہ نرم لہجے میں بولا۔

’’آئی ایم ویری ساری۔‘‘سیکیورٹی آفیسر نے اتنا ہی کہا۔

گیٹ کا دربان انھیں دیکھ کر اٹینشن ہو چکا تھا۔ان لوگوں کے باہر نکل جانے کے بعد سیکیورٹی آفیسر اس پر بگڑ پڑا۔

’’گدھے،تم نے اطلاع کیوں نہ دی کہ پولیس آفیسر اندر گئے ہیں۔‘‘

’’صاحب، میں گیٹ کیسے چھوڑ سکتا تھا۔‘‘سیکیورٹی آفیسر نے منہ بنا کر دوہرایا اور مٹھیاں بھینچتا اندر چلا گیا۔

Akram Allahabadi

''اوہ، وہ جو لاش اندر رہ گئی ہے؟'' بالے نے باہر خان سے پوچھا۔

''ایمبولنس بھیج کر منگالی جائے گی۔''

''ارے، شوکت کی کار غائب ہے؟'' بالے نے چونک کر سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں جب آیا ہوں وہاں کوئی کار نہ تھی۔'' خان نے بتایا۔

''چلا گیا ہوگا۔'' بالے نے یہ کہہ کر ان دونوں کو کار کی پچھلی سیٹ پر ڈھکیل دیا۔

''تمہارا انجام اچھا نہ ہوگا۔'' آپریٹر اندر بیٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔

''سنا آپ نے؟'' بالے نے خان کو متوجہ کیا۔

''جانے دو، کھسیانی بلی اسی طرح کھمبا نوچتی ہے۔'' خان نے یہ کہہ کر رخ پھیر لیا۔

بالے نے ایک ہی ہتھکڑی کے دو کلیمپ ان دونوں کے ہاتھوں میں ڈال دیے تھے۔ وہ خود آگے خان کے پاس ہی بیٹھا تھا، مگر ترچھا ہو کر تا کہ وہ دونوں اس کی نظر کے سامنے رہیں۔

''آپ کی تعریف؟'' بالے نے آپریٹر کی طرف اشارہ کر کے خان سے پوچھا۔

''اس کا نام پاشا ہے۔'' خان نے مختصراً کہا۔

''پاشا...'' بالے نے دہرایا۔ ''ایوایو حیدرآباد کے ہوتے جی تم؟'' بالے نے پلٹ کر اسی سے پوچھا۔

''پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا، لیکن یہ مصری ہے۔'' خان نے بالے سے کہا۔

''میں سکندرآباد کا ہوں۔'' پاشا ہولا۔

''مجھے معلوم ہے، تم دوسروں کو چاؤش بن کر دھوکا دے سکتے ہو، مجھے نہیں۔'' خان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''مجھے کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟'' پشت سے آپریٹر نے احتجاج کیا۔

''تمہارا اچار ڈالنے کے لیے، آج کل بازار میں بھاؤ اونچا ہے۔'' بالے نے کہا۔

Akram Allahabadi

''میں پوچھتا ہوں میرا کیا قصور ہے آخر؟'' اس نے دوبارہ پوچھا۔

''قصور تو ان بے چاروں کا بھی نہ تھا جنھوں نے طوطن خامن کا مقبرہ کھودا تھا۔''

خان نے یہ جملہ ادا کرتے وقت پاشا کی شکل کے سامنے ونڈ اسکرین میں لگے چھوٹے سے آئینے میں دیکھی۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا لیکن جلد ہی وہ سنبھل گیا۔

''خدا جانے کس شبہے میں میرے پیچھے پڑ گئے ہو تم لوگ؟'' وہ بڑبڑایا۔

''بہت جلد معلوم ہو جائے گا تمھیں، ابھی چپ رہو۔'' خان نے اسے ڈانٹ دیا۔

''آپ نے جب مجھے اس کی گرفتاری کا حکم دیا تھا تو خود کیوں چلے آئے؟''

''مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ تمہارا سابقہ ایک اکیلے آدمی سے نہیں، ایک پورے گینگ سے پڑے گا، اس لیے میں خود چلا آیا۔''

''تب تو کہیں شوکت کو بھی کچھ نہ ہو گیا ہو۔ میں اسے باہر انتظار کرنے کے لیے اس کو کار میں چھوڑ گیا تھا۔''

''چیک کر لینا۔''

وہ ابھی اسی قدر گفتگو کر پائے تھے کہ انھیں کچھ شور کی آواز آئی۔ ان کی کار کی طرف اشارہ کر کے راہ چلتے لوگ چیخ رہے تھے۔ خان نے جیسے ہی پیچھے دیکھا اس نے کار کو بریک لگا دیا۔ بہت آہستہ سے اچانک کا کا دروازہ کھول کر دوڑتی کار سے کود پڑنے کی کوشش میں پاشا تو سڑک پر گھسٹ رہا تھا اور اس کا ساتھی بھی دروازے میں پھنسا رہ گیا تھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں ایک ہی ہتھکڑی کے کڑے ہونے کی وجہ سے پاشا لٹکا رہ گیا اور سڑک پر کار کے ساتھ گھسٹتا چلا آ رہا تھا۔ دوسرے آدمی کے حلق سے عجیب سی چیخ نکلی جیسے اس کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ کار کے رکتے ہی انھوں نے اتر کر دیکھا۔ پاشا کا سر پھٹ چکا تھا، چہرہ بری طرح چھل گیا تھا اور خون جگہ جگہ سے رس پڑا تھا۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے رگڑ کھا کر پھٹ چکے تھے، کہنیاں، گھٹنے، سب کی جلد پھٹ کر گوشت باہر نظر آنے لگا تھا۔

Akram Allahabadi

خان نے اس کی نبض ٹٹولی، وہ مر چکا تھا۔البتہ جواندرا نکارہ گیا تھا، وہ بے ہوش ہوگیا تھا،اس کی سانس ابھی چل رہی تھی۔خان نے پاشاہ کی لاش کو اپنی کار کی پچھلی نشست پر ہی ڈال دیا۔اس کا بے ہوش ساتھی بھی وہیں پڑا تھا۔انھوں نے پبلک کی باز پرس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

''بالے،تم فوراً بلقیس کو چیک کرو۔''خان نے اسے کار سے اتارتے ہوئے کہا۔

''اسے...؟مگر وہ تو بنگلے پر...''بالے نے کچھ کہنا چاہا۔

''فضول کی بحث میں وقت نہ گنواؤ،کہیں وہ بھی ہاتھ نہ نکل جائے۔''خان نے اس کی بات کاٹ کر سمجھایا۔

''بہتر ہے۔''بالے نے رخصت ہوتے ہوئے کہا اور خان کی کار کے آگے بڑھتے ہی اس نے ایک ٹیکسی پکڑلی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# بلقیس بھی غائب

خان کا شبہ بالکل درست نکلا۔ جس وقت وہ ٹیکسی سے اتر کر پروفیسر یاور مرزا کے بنگلے میں داخل ہوا تو شکور سامنے برآمدے میں پریشان سا کھڑا اسے نظر آیا۔

''کیا بات ہے، بے بی کہاں ہے؟'' بالے نے اندر گھستے ہی پوچھا۔

''ابھی تو گئی ہیں۔'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''کیوں، آپ کے یہاں نہیں پہنچیں؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''نہیں تو، کون لے گیا ہے انھیں؟''

''سادہ لباس میں کوئی سی آئی ڈی کا افسر آیا تھا، ابھی دس منٹ ہوئے۔ اس نے کہا کہ یہاں بے بی کی جان کو خطرہ ہے، اس لیے انھیں کوتوالی میں بلایا ہے۔'' شکور نے بتایا۔

''اور تمہاری بوڑھی عقل میں یہ بات نہ آئی کہ کوتوالی ہمارے شہر میں نہیں ہوتی۔'' بالے نے اسے جھاڑا۔ ''کیسا آدمی تھا وہ؟''

''لمبا تڑنگا، اچھے خاصے کپڑے پہنے تھا اور اس کی موٹی مونچھیں تھیں، رنگ سانولا تھا۔'' شکور نے بتایا۔

''اوہ، تم نے کیوں جانے دیا اسے۔'' بالے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا۔

''تو کیا وہ پولیس کا آدمی نہ تھا؟''

''نہیں۔ اور جمال کہاں ہے؟''

''جمال دوپہر کو ہی بجلی کا بل بھرنے گیا تھا تب سے ابھی تک لوٹا ہی نہیں ہے۔'' شکور نے بتایا۔

''دیکھو، ایک کام کرو۔ جمال جیسے ہی یہاں آئے تم اسے کسی کام میں الجھا کر فوراً

اس نمبر پر ٹیلی فون کر دینا۔" بالے نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس پر خان کا نمبر لکھ کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

"جمال کوئی خراب آدمی نہیں ہے، صاحب۔ وہ تو بیس برس سے یہاں نوکر ہے۔ پروفیسر صاحب تو خود چھوٹے بھائی کی طرح چاہتے تھے۔" شکور نے جمال کی تعریف کی۔

"اور وہی پروفیسر صاحب کے آدھے خاندان کو کھا گیا۔ خیر یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تم سے جو کہا گیا ہے وہ کرو اور یاد رکھو اگر کسی کو معلوم ہوا کہ میں نے تمہیں کیا ہدایت دی ہے تو تم جیل میں نظر آؤ گے۔"

"نہیں، صاحب۔ میں شریف آدمی ہوں۔"

"جمال سے ایسا برتاؤ نہ کرنا کہ اسے شک ہو جائے۔"

"بہت اچھا۔" شکور نے سر ہلایا۔

بالے تیزی سے باہر نکلا تو اسے سامنے ہی موڑ پر ایک آدمی کیلے کی گاڑی لیے نظر آیا، بڑی بڑی مونچھوں والا ادھیڑ عمر آدمی۔

"آنے کے دو... آنے کے دو.. ارے کھاتے جاؤ، بھائی۔" اس نے آواز لگائی۔

بالے ٹیکسی میں بیٹھنے کی بجائے اس کے پاس پہنچ گیا اور دو آنے اس کے سامنے پھینک دیے۔

"تم کیا جھک مار رہے تھے یہاں، وہ غائب ہو گئی۔"

"یہاں سے تو کوئی نہیں گیا، الہام ہوا ہے کہا؟" کیلے والے نے حیرت سے جواب دیا۔

"خدا نے دو دو مونچھیں دی ہیں اور تمھیں نظر نہیں آیا کہ وہ دن دھاڑے اڑا لی گئی۔" بالے کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"میں ہی اکیلا تھا کیا؟ وہ اس کونے پر ابراہیم بھی موجود ہے، اس سے پوچھ لو۔"

کیلے والے نے برا مانتے والے انداز میں کہا۔

''جو نہ ہوتا تھا، وہ ہو چکا۔بس اب زندگی بھر یہیں کیلے بیچتے رہو۔'' یہ کہہ کر وہ تیز تیز چلتا ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔کیلے والا کیلے لیے اس کے پیچھے دوڑتا آیا۔''ارے، کیلے تو بھول گئے آپ، صاحب۔کیا حرام کے پیسے ہیں؟'' اس نے قریب آ کر کہا۔

''اوہ۔'' بالے نے دانت پیسے۔''ابھی وہ میونسپلٹی کا انسپکٹر جمال آئے گا، نظر رکھو، ورنہ تمہاری بغیر لائسنس کی گاڑی اور مونچھوں سمیت تم کانجی ہاؤس میں ہو گے۔'' یہ کہہ کر اس نے ٹیکسی والے کو چلنے کا اشارہ کیا۔کیلے والا بڑبڑاتا ہی رہ گیا۔

''صاحب، آج کل تو لوگ ایسے ہی کاروبار کرتے ہیں۔'' ٹیکسی والے نے کیلے والے پر تبصرہ کیا۔''بس میونسپلٹی والوں کو ہفتہ بھر دیا، پولیس کو ہفتہ بھر دیا اور پھر نہ کوئی لائسنس پوچھتا ہے نہ نام۔''

''تم نہیں جانتے، یہ مونچھوں والا تو سٹے کی بیٹنگ بھی لیتا ہے، کیلے کا بزنس تو فقط آڑ ہے اس کی۔'' بالے نے بات کا رخ پلٹ دیا۔

''کہاں چلوں، صاحب؟'' اس نے پوچھا۔

''سہراب گلی۔''

''صاحب، اس سے اچھی تو گول دیول پر ملتی ہے۔'' ٹیکسی والے نے اسے شراب کا خوگر سمجھ کر بتایا۔

''مجھے معلوم ہے، تم سہراب گلی ہی چلو۔'' بالے نے لہجہ ذرا تلخ کر لیا اور ٹیکسی والے نے پھر کوئی سوال نہ کیا۔شاید وہ بھی سوچ رہا ہو کہ ناحق اس نے مشورہ دیا۔

سہراب گلی شہر کے وسطی علاقے کی گنجان آبادی میں ایک تنگ سی گلی تھی جہاں کچھ پارسی، کچھ عرب اور کچھ عیسائیوں کے خاندان رہتے تھے۔یہ گلی اسمگلنگ کے بزنس کے لیے بھی بدنام تھی، کیوں کہ دوبارا اسمگلنگ کی گھڑیاں یہاں فروخت ہوتے پکڑی جا چکی تھیں، کچھ

ٹرانسمیٹر بھی پکڑے گئے تھے۔ یہاں چند ایسے عرب بھی رہتے تھے جن پر پولیس کو سونے کی اسمگلنگ کا شبہ تھا، لیکن آج تک قانون کی زد میں ایک بھی نہ آیا تھا۔

گلی میں داخل ہو کر بالے ٹیکسی سے اتر گیا اور ٹہل چکا کر پیدل ہی اندر چلنے گلا۔ ٹیکسی والے نے گاڑی گھمائی اور لے کر چل دیا۔ بالے نے ایک جگہ رک کر ایک عمارت پر نگاہ ڈالی اور اس کے مقابل سڑک کے اس پار کے ایک سیلون میں ڈاخل ہو گیا۔

یہاں تمام کرسیاں پر تھیں اور دو چار داڑھی بنوانے والے پہلے ہی سے امید واری کر رہے تھے۔ بال کچھ بالے کی داڑھی کے بھی بڑھ گئے تھے، اس لیے اسے بھی ان میں ہی سمجھا گیا۔ وہ پاس ہی پڑا ہوا ایک اخبار اٹھا کر دیکھنے لگا۔ مگر اس کی نظر اوپر دوسری منزل پر سامنے والے کمرے کی کھڑکیوں پر تھی جو کھلی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد ہی اس عمارت سے ایک لڑکا اتر کر دکان کے سامنے سے گزرنے لگا۔ اس نے اسے اشارے سے پاس بلایا تو وہ حیرت سے اس کی شکل دیکھتا آ پہنچا۔

''تم اس بلڈنگ میں رہتے ہو نا؟''

''ہاں، کیوں؟''

''وہ دوسرے مالے پر جمال رہتا ہے نا؟''

''وہ شدی بابا؟''

''ہاں، ذرا ایک کام کر دو، لو یہ چار آنے۔'' بالے نے ایک چوانی اس کی طرف بڑھائی۔

''کیا کرنا ہے؟'' لڑکے نے چوانی جلدی سے لیتے ہوئے پوچھا۔

''اس سے جا کر صرف اتنا کہہ دو کہ تمہیں پاشا بلا رہا ہے، پوچھے کہاں تو کہنا سامنے حمام میں ہے۔'' بالے نے بتایا۔

''بس؟''

"ہاں، بس۔"

لڑکا فوراً دوڑتا ہوا واپس چلا گیا۔ اس کے اس عمارت میں چڑھنے کے کوئی دو منٹ بعد ہی بالے نے دیکھا کہ کوئی اوپر سے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر جھانک رہا ہے، وہ حمام کی طرف ہی دیکھ رہا تھا، لیکن بالے پر اس کی نظر نہیں پڑی۔ پھر پردہ دوبارہ برابر کر دیا گیا اور چند منٹ کے بعد بالے کو وہی آدمی اس عماررت سے اتر کر باہر نکلتا نظر آیا، وہ اسی سیلون کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے اندر کی طرف جھانک کر دیکھا، پھر اس کے چہرے پر کچھ تفکر کے آثار نظر آئے۔ وہ واپس جانے ہی والا تھا کہ بالے اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ اس نے اسے بازو سے تھام لیا۔ وہ گھبرا گیا۔

"ادھر آؤ، میرے ساتھ۔" بالے نے سرگوشی کے لہجے میں کہا اور اسے ایک قریب کے چھوٹے سے چائے خانے کی طرف کھینچنے لگا۔ متذبذب سا وہ آدمی اس کے ساتھ چائے خانے میں آ کر ایک میز کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"پاشا کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ چلتے چلتے اس نے کہا تھا کہ میں جمال کو آگاہ کردوں کہ اس کے لیے بھی خطرہ ہے، وہ کہیں چلا جائے۔" بالے نے ادھر ادھر دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ جس پر اس آدمی کے چہرے کا رنگ اتر سا گیا۔

"مگر تم کون ہو؟" اس نے بھی سرگوشی کے لہجے میں پوچھا۔

"وہ کرین آپریٹر ہے اور میں یارڈ کلرک ہوں، اس نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ یہ خبر دینے پر جمال مجھ کو سو روپے انعام بھی دے گا۔" بالے نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔

"جمال تو چلا گیا، مگر ۱۰۰ سو روپے تمھیں میں دے سکتا ہوں۔"

"کوئی بھی دے، میں نے تو اپنا کام کر دیا۔ اور ہاں... اس نے ایک بات اور کہی تھی۔" بالے کو جیسے کچھ اور یاد آ گیا۔

"کیا؟"

Akram Allahabadi

''اچھی سی بات تھی۔'' بالے ذہن پر زور دینے لگا۔''ہاں، اس نے کہا تھا آخری سیڑھی اکھاڑلو۔''

''اکھڑ گئی۔'' اس کے آدمی کے منہ سے بے ساختہ نکلا، لیکن فوراً ہی اس نے منہ بند کرلیا اور بالے چونکتے چونکتے رہ گیا۔

''اور ہاں، وہ پولیس انسپکٹر بھی کچھ کہہ رہا تھا۔'' بالے نے ذہن پر دوبارہ زور دینے کی کوشش کی۔

''وہ کیا کہہ رہا تھا؟ وہ کیا کہہ رہا تھا؟'' اس آدمی نے جلدی سے پوچھا۔

''پوری بات تو نہیں سنی میں نے، مگر جب وہ اسے لے جا رہے تھے تو انسپکٹر کہہ رہا تھا تم چلو، میں ہوائی اڈے کو اور گودی پولیس کو ٹیلی فون کر کے آتا ہوں۔ اب خدا جانے کیا فون کرنے والا تھا وہ۔'' بالے یہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔ وہ آدمی کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت اس نے کھجلانے کے لیے اپنے ایک بازو کو سہلایا۔ آستین کے ہٹتے ہی جونشان اس کے بازو پر بالے کو نظر آیا وہ چونکا دینے والا تھا۔ اس پر ایک احرام کا مثلث بنا تھا جس کے دونوں سمت کھجور کے درخت کھڑے تھے۔ بالے نے دانستہ نظر چرالی اور گھبراہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''لاؤ، میرے روپے دو، میں چلتا ہوں، کہیں کسی شبے میں پولیس مجھے بھی نہ پکڑ لے۔'' وہ ہاتھ پھیلا کر بولا۔ جواب میں اس آدمی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک پرس نکالا اور اس میں سے ۱۰۰ روپے کا ایک نوٹ نکال کر چپکے سے بالے کی طرف کھسکا دیا۔ بالے نے اسے مٹھی میں دبا کر جلدی سے جیب میں ڈال لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا، سلام علیکم۔'' وہ باہر جاتے ہوئے شوکت کے انداز میں بولا۔ اس نے دیکھا وہ آدمی وہیں کسی سوچ میں بیٹھا تھا۔ بالے نے باہر نکل کر تیزی سے گلی کو عبور کیا اور اس کے سرے پر آ کر وہ ایک دکان کی اوٹ میں کھڑا ہوگیا۔ اس وقت اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ وہ آدمی

اب ہوٹل سے نکل کر اپنی بلڈنگ کی طرف جانے کی بجائے اسی طرف آ رہا تھا۔ بالے اور آڑ میں ہو گیا اور وہ اس کے سامنے سے نکل کر سڑک پر کھڑی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

بالے کو بھی ایک ٹیکسی پکڑنی پڑی۔ البتہ اب اس نے اتنا ضرور کیا کہ اپنا کوٹ الٹا کر پہن لیا اور ٹیکسی میں بیٹھے ہی بیٹھے نقلی مونچھیں نکال کر ناک کے نیچے چپکا لیں پھر سنہری فریم کا چشمہ آنکھوں پر چڑھا کر اور جیب سے ایک پتلی سی گاندھی کیپ نکال کر اس نے پہن لی۔ ٹیکسی چلانے والے نے جو آئینے میں اس کی بدلی ہوئی شکل دیکھی تو وہ حیران رہ گیا۔ اس نے تو کسی اور ہی گاہک کو گاڑی میں بٹھایا تھا، پھر گاڑی کے چلتے چلتے گاہک بدل کیسے گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ سکا۔ مگر وہ بار بار حیران نظروں سے آئینے میں اسے دیکھتا رہا۔

''صاحب، آپ آپ ہیں یا کوئی اور ہیں؟'' اس نے عجیب سا سوال کیا۔

''میں، میں ہی ہوں تم اپنا کام کرو۔'' بالے نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

''مگر، صاحب، آپ گاڑی میں بیٹھتے وقت تو ایسے نہیں تھے؟''

''میں جادوگر ہوں، تم اس چکر میں نہ پڑو۔'' بالے نے منہ بنا کر جواب دیا۔

''ارے تو، صاحب، جادو سے کچھ اپنا کام تو کر دو۔''

تم اس ٹیکسی کا پیچھا کرتے چلو، مگر اسے خبر نہ ہونے پائے، تمہارا کام میں کر دوں گا۔'' بالے نے کہا۔

''میں تو اس کے باپ کا بھی پیچھا کر لوں گا، آپ اطمینان رکھو۔'' ٹیکسی والے نے واقعی اپنے فن کی مہارت کا ثبوت دینا شروع کر دیا۔

''صاحب، ایک پھلجھڑی ہے سالی، اپنے قابو میں ہی نہیں آتی ہے۔ بس اب جادو کر دو کچھ کہ پیر دھو دھو کر پیے۔'' ڈرائیور نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

''یہ پھلجھڑی کیا ہوتی ہے؟'' بالے نے یوں ہی پوچھا۔

''صاحب، ایسی لونڈیا ہے، ایسی لونڈیا ہے...'' کہتے کہتے ٹیکسی والے کے منہ میں

جیسے پانی بھر آیا ہو۔ ''بس، کچھ نہ پوچھو کیسی لونڈیا ہے۔ اپن تو چار برس سے اس کے خواب دیکھ رہے ہیں۔''

''اللہ رحم کرے گا، گھبراؤ نہیں۔''

''آپ تو کوئی جنتر منتر، کچھ جادو ایسا دے دو کہ سالی کچے دھاگے سے بندھی چلی آئے۔'' اس نے پھر فرمائش کی۔

''لو، اس پتے پر اگلی جمعرات کو آجانا، شام کو ۷ بجے۔'' بالے نے اسے شوکت کا کارڈ تھما دیا۔ ''مگر میری شکل وہاں بھی تمھیں دوسری ملے گی۔ اور شاید میں آج کی بات بھول بھی جاؤں، اس لیے میرے پیچھے ہی پڑ جانا، تب ہی کام ہوگا تمہارا۔'' بالے نے اسے ہدایت کی۔

''صاحب، بھوت بھوت، ہزار ہزار، لاکھ لاکھ شکریہ۔'' ڈرائیور نے خوش ہو کر کارڈ جیب میں رکھ لیا اور اگلی ٹیکسی کو نظر میں رکھ کر گاڑی تیز کر دی۔

وہ ٹیکسی جس مقام پر جا کر رکی، وہ بالے کے لیے نیا نہ تھا۔ اس جگہ وہ ایک بار بدلے بھیس میں جمال کا تعاقب کرتا ہوا ایک ہوٹل تک آیا تھا، جہاں سے اس نے سپرنٹنڈنٹ خان کو باہر نکلتے دیکھا تھا۔ ابھی اگلی ٹیکسی اس گلی میں داخل ہوئی ہی تھی کہ پبلک کی بھیڑ دیکھ کر ڈرائیور نے گاڑی روک دی۔ سڑک کے کنارے ایک لاش خاک و خون میں لتھڑی پڑی ہوئی تھی اور ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبل اس کو گھیرے اس کا معائنہ کر رہے تھے۔ لوگ خبر سن کر دور دور سے دیکھنے چلے آرہے تھے۔ بالے کی ٹیکسی بھی وہیں رک گئی۔ وہ گاڑی سے اتر پڑا۔ بھیڑ میں گھس کر اس نے دیکھا اور اس لاش کی شکل دیکھ کر وہ چونک سا پڑا۔ ذہن پر تھوڑا زور ڈالنے سے اسے یاد آگیا کہ اسی سرے والے ہوٹل میں اس نے اُس دن اسی آدمی کو سپرنٹنڈنٹ خان کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تھا اور جب مجمع میں اس نے مرنے والے ذکر غفور کے نام سے سنا تو اسے یاد آگیا۔ خان نے گودی والے آدمی کے سلسلے میں اس کا نام لیا تھا۔ اس نے

وہاں موجود لوگوں سے اس خون کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کی، مگر سب کا یہی بیان تھا کہ اس کی لاش سڑک کے کنارے پڑی ہوئی ملی، کون مار کے بھاگا ہے، یہ نہ کسی نے دیکھا نہ سنا۔ بالے کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ اس معاملے میں الجھتا، لیکن اس نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ خان کو اطلاع دے دے۔ اتفاق سے اس وقت اس کی جیب میں جیبی ٹرانسمیٹر بھی نہ تھا اور اس گلی میں کہیں ٹیلی فون کا ہونا ناممکن نظر آتا تھا۔ اسے کوئی اور ذریعہ نہ سمجھ میں آسکا۔ اس نے جیب سے ذرا سا کاغذ نکال کر اس پر لکھا۔ ''اس وارت کی خبر فوراً ڈی سی پی سی آئی ڈی کو کر دو۔'' یہ چٹھی لکھ کر اس نے مٹھی میں دبالی اور مجمع میں کھسکتے کھسکتے اس سب انسپکٹر کے قریب پہنچ گیا۔ انسپکٹر نے جب پشت سے انگلی چبھانے والے آدمی کی طرف گھوم کر دیکھا تو بالے نے جلدی سے اسے سلام کر کے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

''ہلو انسپکٹر صاحب۔'' انسپکٹر نے اسے تعجب کی نظروں سے دیکھتے ہوئے ہاتھ ڈھیلا کر دیا، مگر جب اسے ہتھیلی میں کوئی شے چبھتی ہوئی محسوس ہوئی تو وہ چونکا۔ اتنی دیر میں ہاتھ ملانے والا بھیڑ میں غائب ہو چکا تھا۔ جب اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر مٹھی جیب میں ہی کھول کر اس پرچے کی تحریر پڑھی تو چونک پڑا۔ اس نے ایک حوالدار کے کان میں کچھ کہا، جو فوراً ہی وہاں سے چل دیا۔

بالے نے مجمع سے باہر آ کے دیکھا۔ وہ ٹیکسی وہاں سے غائب تھی۔ اسے اپنی حماقت کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ وہ سمجھا تھا کہ اس کی طرح وہ آدمی بھی ٹیکسی سے اتر کر یہ واقعہ دیکھ رہا ہے، مگر وہاں تو ٹیکسی ہی نہ تھی۔ ٹھیک اسی وقت بھیڑ کی دوسری طرف سے کسی کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر دیکھا، اس کا ٹیکسی ڈرائیور ہارن بجا رہا تھا۔ بالے نے فوراً قریب پہنچ گیا۔

''ابھی بھیڑ سے ایک اور آدمی نکل کر اس ٹیکسی میں بیٹھا تھا، دونوں اُدھر گئے ہیں۔'' ٹیکسی والے نے اگلی گلی کے اگلے موڑ کے داہنی طرف اشارہ کیا۔ بالے جلدی سے گاڑی میں

بیٹھ گیا اور ٹیکسی والے نے برقِ رفتاری سے کار چھوڑ دی۔

''کام تو تم نے، دوست، انعام والا کیا ہے۔'' بالے نے اس سے کہا۔

''اپنا کام آپ کر دینا، صاحب۔'' ٹیکسی والے نے ہنس کر جواب دیا۔

یہ اتفاق کی ہی بات تھی کہ وہ ٹیکسی انھیں مین روڈ پر نظر آ گئی، بالے کے ٹیکسی ڈرائیور نے اس کا پلیٹ نمبر نوٹ کر لیا تھا۔ اس لیے اس نے دور سے ہی اسے پہچان لیا۔ مین روڈ پر تقریباً دو میل تک دوڑنے کے بعد ٹیکسی نے ڈیولوپمیٹ کوارٹرز کا رخ کیا جو شہر کی شمالی حدود میں نئے پلان اور نئے ڈزائن سے بنائے جا رہے تھے۔ یہاں آباد بس رہی تھی۔ وہ کافی مہذب اور خوش حال تھے۔ یہاں کچھ غیر ملکی لوگ بھی آباد تھے اور کچھ نئے کلب اور انجمنیں بھی تھیں۔

وہ ٹیکسی ڈیولوپمیٹ کوارٹرز ایریا میں داخل ہو گئی۔ اس آبادی کو راجندر نگر کا نام دیا جانے والا تھا، لیکن ابھی پورے علاقے کی تعمیر مکمل نہیں ہوئی تھی۔ سڑکیں کافی کشادہ تھیں لیکن دکانیں جگہ جگہ نہ بنا کر چھوٹے چھوٹے مارکیٹ قائم کر دیے گئے تھے۔ وہ ٹیکسی ایک کراس روڈ میں داخل ہو کر ایک زرد ایک منزلہ، مگر بڑی، عمارت کے دروازے پر رک گئی۔ اس کے باہر ایک چھوٹا سا بورڈ لگا تھا، جس پر لکھا تھا، 'افریشین کلب'۔

دروازے پر ایک زرد رو لمبے قد کا دربان موجود تھا جس کی کمر میں چمڑے کی پیٹی سے ایک خنجر لٹک رہا تھا۔ ٹیکسی رکنے پر وہ دونوں آدمی اتر پڑے اور انھوں نے ٹیکسی والے کو پیسے چکائے اور اس عمارت میں داخل ہو گئے۔ اندر جاتے وقت انھوں نے دربان سے کچھ کہا تھا جسے بالے نہ سن سکا کیوں کہ وہ فاصلے پر تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے اس کی عقل کچھ کام کر چکی تھی۔ اس لیے ذہن میں ایک پروگرام بنا کر اس نے بھی اپنی ٹیکسی اس دروازے پر رکوا دی۔ دربان اسے ٹیکسی سے اترتے ہوئے حیرت سے دیکھنے لگا۔ بالے نے دس روپے کا نوٹ ڈرائیور کو تھما دیا۔

"سلاما لیکم۔" اس نے خود ہی یہ کہہ کر اسے رخصت کر دیا۔ ڈرائیور مطلب سمجھ گیا اور اس نے مسکراتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

دربان کا ایک ہاتھ خنجر کے قبضے پر چلا گیا۔ وہ خود ہی آگے بڑھ آیا۔ مگر بالے نے کوئی جواب دینے کی بجائے اپنی آستین چڑھا کر اپنا بازو اس کے سامنے کر دیا۔ اس پر وہی اہرام کے مثلث اور کھجور کے درختوں کی تصویر بنی ہوئی تھی جو بالے نے اپنے فونٹین پین کی بلیو بلیک سیاہی سے بنائی تھی۔ دربان اس تصویر کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا اور بالے اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک چھوٹا سا ہال تھا جس کے کئی دروازے مختلف کاریڈورز میں کھلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک دروازے پر اسے دو سیاہ سٹ میں ملبوس محافظ کھڑے نظر آئے۔ بالے نے آستین چڑھائی اور اکڑ کر ان کے درمیان سے گزرنے لگا، لیکن وہ اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ آخر ان میں سے ایک نے اسے ٹوک دیا۔ ان کی زبان عجیب تھی۔ اس خواب کے سے الفاظ سے ملتی جلتی۔ اس کی سمجھ نہ آیا کہ کیا جواب دے۔ وہ مضحکہ خیز انداز میں اپنی زبان نکال کر انھیں دکھانے لگا، جس پر وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ انھوں نے آپس میں کچھ اشارے کیے اور بالے کی طرف بڑھے۔ بالے نے جلدی سے جیب سے چیونگ گم کا ایک پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ حیرت سے اس کی حرکت کو دیکھتے ہی نہیں بلکہ اس نے غیر ارادی طور پر وہ پیکٹ بھی تھام لیا۔ اسی پھرتی سے بالے نے اپنی ٹوپی بھی اتار کر دوسرے آدمی کے ہاتھ میں دے دی، جس نے ایک خوف ناک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ وہ ٹوپی تھام لی۔ مگر ٹھیک اسی وقت جب اس کا گھونسا بالے کے جبڑے پر پڑنے والا تھا، بالے کا گھٹنا اس کے پیٹ پر اور دو ہتھڑ پیٹھ پر اس زور سے پڑا کہ وہ اوندھا ہی زمین پر گر پڑا اور اس سے پہلے کہ دوسرا آدمی اس پر حملہ کرے بالے اپنا ریوالور نکال چکا تھا۔

"بس، اب نہ ایک لفظ نہ ایک حرکت۔" بالے نے دونوں کو نشانے پر لے کر کہا۔

ان دونوں نے ریوالور دیکھ کر ہاتھ اٹھا دیے۔ بالے نے انھیں پیچھے ہٹنے کا اشارہ

کیا، یہاں تک کہ انھیں ایک دوسرے دروازے میں داخل کر دیا۔ پھر اس نے جیب سے ایک شیشی نکالی اور ان کی طرف بڑھا دی۔

''یہ بدرالدین کا عطر ہے، بیٹو، ذرا سونگھ کر دیکھو جیتے جی جنت نظر آئے گی۔''

جواب میں وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

''لولو، نوش فرماؤ، ورنہ میں گولی حلق میں ڈال دوں گا۔'' بالے نے ریوالور کے ٹریگر پر انگلی رکھ کر کہا۔ ''جلدی کرو، میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

وہ سیدھے کھڑے رہے اور بالے نے خود ہی ان کی ناک سے باری باری وہ شیشی لگا دی۔ ان میں سے ایک تو اپنی ناک نہ ہٹا سکا لیکن دوسرے نے سر پیچھے ہٹایا ہی تھا کہ تڑاق سے بالے کا طمانچہ اس کے منہ پر پڑا اور کچھ اس طرح پڑا کہ وہ فرش پر گر پڑا۔ بالے نے جھک کر وہ شیشی اس کی ناک سے لگا دی۔ اتنی ہی دیر میں پہلا بے ہوش ہو چکا تھا۔ بالے نے دونوں کو برابر سے دیوار کے ساتھ لٹا کر ان کے گریبان ایک دوسرے کے ہاتھ میں دے دیے۔

اب وہ بے خطر اس دروازے میں داخل ہو گیا۔ یہاں اسے کاریڈور میں ہی مختلف آوازیں سنائی دیں جیسے بہت سے آدمی آپس میں بحث کر رہے ہوں۔

سب دروازے بند تھے۔ اس نے کئی دروازوں میں کٹے ہوئے شیشے کے چھوٹے گول سوراخ سے اندر جھانکا، لیکن وہ کمرے خالی تھے۔ لیکن ایک کمرے میں اسے کچھ آدمی بیٹھے نظر آئے۔

اس نے اندر وازے کو ذرا سا دھکیل کر دیکھا وہ اندر سے بند تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کون سی راہ اختیار کرے جس سے وہ انھیں چونکائے بغیر اندر جا سکے۔ اسی وقت اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ لپک کر ایک مقابل دروازے کی چوکھٹ سے چپک گیا۔ دوسرے لمحے اس کی حیرت بڑھ گئی جب اس نے پاشا کو کاریڈور میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کر کیسے زندہ ہو گیا۔ اور پھر اس کی لاش تو خان اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ پھر

Akram Allahabadi

اچانک اسے خیال آگیا کہ ممکن ہے وہ سانس روک کر مردہ بن کر پڑ گیا ہو اور گاڑی کے چلتے ہی دوبارہ کود کر فرار ہو گیا ہو۔ اس کا چہرہ لہولہان ہو رہا تھا اور سر سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ دروازے تک بمشکل پہنچ کر اس نے اسے زور زور سے دونوں ہاتھوں سے بھڑبھڑایا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی کسی نے اندر سے دروازہ کھولا اور وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اندر داخل ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# فرعون کا جانشین

اس کے اندر داخل ہوتے ہی کئی آدمیوں کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔ایک تنومند سامیانہ قد کا آدمی بے قراری سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے اسے سہارا دے کر ایک کرسی پر بٹھادیا پھر وہ اپنی زبان میں اس سے کچھ پوچھنے لگا، مگر شاید پاشا اس قابل نہ تھا کہ بول سکے صرف اس کے ہونٹ تھرک کر رہ گئے۔ وہ تنومند آدمی جو پاشا کو سنبھالنے کے لیے اٹھا تھا پر غضب نظروں سے بلقیس کو دیکھنے لگا جو ایک کرسی پر رسیوں سے بندھی سہمی ہوئی بیٹھی تھی پھر وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی کی طرف مخاطب ہوگیا۔

''پروفیسر کے خاندان سے ہمارا انتقام اس لڑکی کی موت کے ساتھ پورا ہوجائے گا۔''

''میں درخواست کروں گا، باس، کہ اسے میری نظروں کے سامنے ختم نہ کیا جائے۔ آپ اسے اپنے ساتھ لے جا کر چاہے مقدس طوطن خامن کے مقبرے پر ہی بھینٹ چڑھادیں مگر یہاں ایسا نہ کریں۔میں نے اسے بچپن سے گود میں کھلایا ہے۔''

''نہیں، جمال۔'' تنومند آدمی گرجا۔''تمہاری پولیس نے آدی کا دیکھو کیا حال بنایا ہے۔وہ ہمارے پیچھے لگ چکی ہے۔ہم دیوتا طوطن خامن کی سالگرہ کے اگلے یوم قہر پر قربان کرنے کے لیے ایک سال تک انتظار نہیں کر سکتے۔دیوتا طوطن خامن کی مقدس روح اس کے جسم کی بے حرمتی کرنے والوں سے لیے جانے والے انتقام کی تکمیل کی منتظر ہے۔اس کی بد دعا اگر پوری نہ ہوئی تو ہمارا قبیلہ صفحۂ دنیا سے نابود ہوجائے گا۔'' وہ آدمی ہندوستانی لہجے میں گرج کر بولا۔''میں صرف اسی بد دعا کی تکمیل کے لیے ۲۵ برس سے اس ملک کے چکر لگا رہا ہوں۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے اپنی غضب ناک نگاہیں پھر بلقیس پر گاڑ دیں۔

''میں نے ۲۰ سال تک وفاداری سے آپ کی خدمت کی ہے، دیوتا طوطن خامن کے واجب الاحترام جانشین۔'' جمال لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں اس خاندان پر آپ کی نحوست بن کر چھایا رہا ہوں۔ لیکن آج میں صرف اتنی سی رعایت آپ سے مانگ رہا ہوں کہ اس لڑکی کو یہاں نہ قتل کیا جائے۔ میرے ہوتے ہوئے ایسا نہ ہو۔ کیوں کہ میں نے اسے اولاد کی طرح پالا ہے۔ اس نے کبھی مجھے اپنا نوکر نہیں سمجھا۔'' جمال نے اس کے سامنے فرش پر دو زانو ہو کر التجا کی۔ ٹھیک اسی وقت شدتِ درد سے پاشا کراہا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''پاشا کے لیے کسی طرح ڈاکٹر کا انتظام کرو۔'' تنومند آدمی نے جمال کو حکم دیا۔

''مگر میری التجا؟'' جمال نے دہرایا۔

''جمال، تم اسکے نہیں ہمارے نوکر رہے ہو۔ تمھیں بیس سال تک ایک لمبی تنخواہ ہم دیتے رہے ہیں تا کہ اس مقدس بد دعا کی تکمیل ہو سکے اور دیوتا طوطن خامن کی روح تشنہ نہ رہے۔ ہمارا فیصلہ اٹل ہے۔ ہمارا مشن اس لڑکی کی موت کے ساتھ یہیں ختم ہو جائے گا اور ہم آج ہی اس ملک کو چھوڑ دیں گے تا کہ ڈاکٹر ہاورڈ کے چوتھے ساتھی ڈکسن کیل کے خاندان کو آسٹریلیا میں تباہ کیا جائے۔ ہم اگر ان گناہ گار گستاخوں کے لیے نرم پڑے تو فرعون طوطن خامن کی روح ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ کیوں ساتھیو!'' اس نے یہ کہہ کر اپنے ۹ ساتھیوں کی طرف دیکھا، جو آدمی اسی کے پاس کرسیوں پر بیٹھے تھے، وہ اٹھ کر اس کے سامنے جھک گئے۔

''مقدس مآب، دیوتا طوطن خامن فرعون شاہ دہم کے آخری جانشین ہیں اور ہمارے سر آپ کے ہر فرمان پر جھکے ہوئے ہیں۔'' ان میں سے ایک نے سب کی ترجمانی کی۔

''ہمیں اس بار یہاں پورا سال گزر چکا ہے۔ ہمارے قبیلے کے لوگ آپ کے دیدار کے منتظر ہوں گے۔'' ایک دوسرے نے کہا۔

''آپ کو حیائے دین فراعنہ کے جشن میں جلوہ افروز بھی ہونا ہے۔'' ایک تیسرے نے کہا۔ اتنے میں پاشا نے پھر کراہنے کی آواز نکالی۔

Akram Allahabadi

''کیا سب انتظام درست ہے؟'' تنومند آدمی جمال کے ساتھی سے مخاطب ہوا۔

''گودی میں سوڈان کا جہاز آچکا ہے۔'' اس نے ادب سے بتایا۔

میری درخواست، معزز...'' جمال نے کہنا چاہا۔

''چپ رہو۔'' طوطن خامن کا جانشین اس پر بگڑ گیا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک آدمی نے دروازہ کھول دیا۔ باہر کے محافظوں میں سے ایک گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے سمجھ میں نہ آنے والی زبان میں کچھ کہا، جسے سنتے ہی گھبرا کر وہ سب کھڑے ہو گئے۔ ان کا سردار اور زیادہ برہم ہو گیا۔

''کیا تم نے ہم سے غداری کی ہے، جمال؟'' اس نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔ جمال سر سے پیر تک کانپ گیا۔ اس وقت پاشا پھر کراہا۔

''پولیس ہماری بو سونگھتی یہاں تک پہنچ رہی ہے، ایک اجنبی ہماری اس عمارت میں بھی داخل ہو گیا ہے۔ جاؤ اسے تلاش کرو اور فوراً ختم کر دو۔'' ان کا سردار بگڑا۔

''اس کا وقت نہیں ہے، باس۔'' جمال کا ساتھی بول اٹھا، یہ وہی ہوٹل والا تھا جس کے ہوٹل میں بیٹھ کر خان نے غفور سے گفتگو کی تھی۔ ''نکل چلا جائے تو بہتر ہے۔''

''ہمارے پاس پستولیں موجود ہیں، ہم پولیس کو منہ توڑ جواب دے سکتے ہیں۔'' وہ آدمی، جس کا پیچھا بالے کرتا رہا تھا، بول اٹھا۔

''ٹھہرو، سب سے پہلے دیوتا طوطن خامن کی بد دعا کی تکمیل کر دو تا کہ طوطن خامن کی مقدس روح ہم پر مہربان ہو کر ہمارے لیے راستہ نکال دے۔'' ان کا سردار ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''کاریں گیراج سے نکلوالی جائیں؟'' ایک نے ادب سے پوچھا۔

''نکلوا کر باہر تیار رکھو۔'' اس نے حکم دیا۔

''پاشاہ ہمارا وفادار ترین ساتھی ہے، اسے ساتھ لے چلنا ہوگا۔ ہم جہاز پر اس کا

علاج کرلیں گے۔"

"اسے کون سی موت مارا جائے؟" ایک خوں خوار قسم کے آدمی نے اٹھ کر ان سے کہا۔

"صرف گلا گھونٹ دو۔" سردار نے کہا۔

"خبردار جو کسی نے جنبش کی اپنی جگہ سے۔" اچانک دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ دروازے کے بند ہونے وسے پہلے بالے نے باہر سے اس میں پنسل اڑادی تھی جس سے آٹو میٹک لاک نہ ہوسکا اور وہ اچانک اندر گھس گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں اس وقت ریوالور تھے۔ وہ سب سن ہو گئے۔

"کیا تم موت کے خطرے سے ڈر گئے؟" ان ک سردار گرجا۔ اس پر جھٹکے سے ایک آدمی نے پستول نکالنا چاہا، مگر بالے نے فائر کردیا۔ وہ سخت جان گرتے گرتے بھی بالے پر فائر کرگیا، لیکن نشانہ چوک گیا۔ بالے نے دوسرا فائر بھی اس پر جھونک مارا، مگر دوسرے لمحے اس کی کھوپڑی میں جھماکے ہونے لگے۔ پشت سے دربان نے آکر اس کے سر پر ایک ڈنڈے سے بھرپور ضرب لگائی۔ بالے کو دو آدمیوں نے دوڑ کر بازوؤں سے تھام لیا۔

"وقت نہیں ہے، ان دونوں کے سر کاٹ دو۔ ہم نے ان کم بختوں کو وارننگ بھی دے دی تھی، مگر یہ نہیں مانے۔"

اس کے اشارے پر بالے کو بھی رسیوں سے باندھ دیا گیا۔ اس وقت وہ سفاک قسم کا سیاہ فام آدمی، جس کا تعاقب بالے نے کیا تھا، اپنی کوٹ کے اندر پہنی ہوئی پیٹی سے ہلالی شکل کا نوک دار خنجر نکال کر ان کی طرف بڑھا۔ وہ اپنی زبان میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

بلقیس کی آنکھوں میں موت کا خوف جھانکنے لگا، وہ لرز اٹھی، اس کی چیخ نکل گئی۔

"گھبراؤ نہیں، ہر فرعون کے لیے خدا اس ایک موسیٰ بھیج دیتا ہے۔" بالے نے اسے تسلی دینا چاہا۔

''آپ نے کیوں میری خاطر خود کو مصیبت میں ڈالا۔'' وہ آخری وقت اس کی مشکور ہوتے ہوئے بولی۔

''میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔''

اتنے میں وہ خنجر بدست ان کے سر پر پہنچ گیا۔

قریب تھا کہ وہ ان پر وار کرے کہ پاشا نے کراہ کر کروٹ بدلنے کی کوشش کی اور اس کی ٹانگ اس طرح پھیلی کہ وہ آدمی اس میں الجھ کر لڑکھڑا کر اوندھا گر پڑا۔ اس کا خنجر خود اس کے ہی سینے میں گھس گیا اور اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ چونک کر ادھر متوجہ ہوئے ہی تھے کہ زخموں سے چور پاشا اچانک اپنی جگہ سے اچھلا اور اس نے اس زور کی ٹھوکر پاس والے آدمی کے ماری کہ وہ چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

''پاشا!'' ان کا سردار دانت پیس کر اس پر جھپٹا، مگر گھونسا اس کی ناک پر پڑا اور وہ لہرانے لگا۔

''دیکھا تم نے، اس فرعون کے جانشین کا حشر۔'' بالے، بلقیس سے بولا، مگر وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

اتنے میں ایک ساتھ چار ریوالور نکل آئے۔ پاشا نے یہ دیکھتے ہی ان میں سے ایک کی مشکیں کس کر اسے اپنی ڈھال بنا لیا اور پیچھے ہٹنے لگا۔

''اپنے پستول پھینک دو، ورنہ میں تمہاری چندھیاں اڑا دوں گا۔'' وہ گرجا۔

''پاشا، تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟'' ان کا سردار پھر چیخا۔

''ابے الّو کے پٹھے، وہ خان پاشا ہیں، تمہارے باپ۔'' بالے وہیں سے چیخا۔

''تمہارا پاشا تو کب کا خدا کنج پہنچ چکا ہے۔''

اتنی دیر میں وہ آدمی باہر جا چکا تھا، جسے کار تیار رکھنے کی ہدایت دی گئی تھی۔

''آپ نکل جایئے، تقدس مآب۔ ہم وفادار یہاں موجود ہیں۔'' جمال کے ساتھی

نے چیخ کر ان کے سردار سے کہا۔سردار نے ہٹنے کی کوشش ہی کی تھی کہ خان نے دوسرے ہاتھ سے فائر کر دیا،مگر وہی آدمی سردار کے سامنے آ گیا اور گولی اس کے سینے میں پڑی۔اس نے جو فائر کیا وہ گولی اس آدمی کے سینے میں لگی جسے خان نے ڈھال بنا رکھا تھا۔لیکن ان کے تقدس مآب کو اتنا موقع مل گیا کہ وہ پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔اسی وقت دروازہ پھر کھلا اور ڈیسوزا اور انسپکٹر شاہ اندر آ پہنچے۔طوطن خامن کے اندھے عقیدت مند اب بھاگ اٹھے،لیکن ڈیسوزا اور شاہ دونوں نے فائر کرنا شروع کر دیے۔ان میں سے تین وہیں گر پڑے اور باقی جوابی فائرنگ کرنے لگے۔پولیس آفیسرز نے کرسیوں کو ڈھال بنا لیا۔ڈیسوزا نے آگے بڑھ کر بالے اور بلقیس کی کرسیاں اوندھی گرا لیں اور پھر ان کی رسیاں کاٹ دیں۔وہ رینگ کر ان کے پیچھے آ گئے۔

خان نے یہاں کا معاملہ ان لوگوں پر چھوڑا اور خود دروازے سے نکل کر باہر کی طرف بھاگا۔

باہر سے فائرنگ کی آواز آنے لگی تھی۔اس نے دیکھا کہ کار کی آڑ سے وہ لوگ محاصرہ کرنے والی پولیس پر فائر کر رہے ہیں۔وہ صرف تین آدمی تھے۔ان کا سردار اور دو ساتھی۔

''فضول ہے،اب ہاتھ اٹھا دو۔''خان نے پیچھے سے پہنچ کر کہا اور ان کے ہاتھ اٹھ گئے۔

☆☆☆☆☆☆

گودی سے سوڈان کا چھوٹا سا جہاز، مینا،طوطن خامن کے جانشین اور اس کے معتقدین کو لیے بغیر ہی بھاگ اٹھا،لیکن ان دس افراد کے گروہ میں سے صرف تین ہی زندہ بچے۔ان کا سردار، جمال اور ادریس، جو اس ہوٹل کا مالک تھا۔ان پر پروفیسر یاور مرزا کے

خاندان کے قتل کی فردِ جرم عائد کر دی گئی اور طوطن خامن کی بد دعا مکمل نہ ہو سکی، کیوں کہ پروفیسر کی آخری نشانی، بلقیس ابھی زندہ تھی۔ خان نے یہ دوسرے دن بالے کو بتایا کہ اس دن جو خواب اس نے اور شوکت نے دیکھا تھا وہ ڈرامہ اسی کلب میں کھیلا گیا تھا اور طوطن خامن کا گرفتار شدہ جانشین طوطن خامن بنا تھا۔ باقی لوگ اس کے ساتھی کلب کے مقامی ممبر تھے، جنھیں اس سازش کا علم نہ تھا۔ وہ بالے اور شوکت کو نہیں پہچانتے تھے اور انھوں نے انھیں بھی ڈرامے کا ایک کردار سمجھا تھا۔ جمال نے قبول دیا کہ اس کی مدد سے وہ لوگ بالے اور شوکت کو بے ہوش کر کے اٹھا لے گئے تھے۔

''لیکن آپ کو کیسے شبہ ہوا کہ یہ ڈرامہ تھا؟'' بالے نے پوچھا۔

''میں غیر ملکیوں اور خصوصاً مصریوں کے کلب چیک کر رہا تھا۔ اسی سلسلے میں اس کلب تک پہنچا اور معلوم ہو گیا۔''

''تو پہلے ہی کیوں نہیں انھیں پکڑ لیا گیا۔''

''ثبوت زبانی نہیں چلتے اور پھر غیر ملکی معزز ہستیوں کے بارے میں بغیر ٹھوس ثبوت کے اقدام نہیں کیا جا سکتا۔'' خان نے بتایا۔

''کون سی معزز ہستی؟'' بالے نے چونک کر پوچھا۔

''طوطن خامن کے اس جانشین کا نام 'تفنار' ہے۔ وہ یہاں کے سوڈانی سفارت خانے کا چارج ڈی افیرز ہے۔'' خان نے بتایا۔ ''سوڈان کے اطراف میں ایک قبیلہ اب بھی فرعون کے خاندان والوں کی پرستش کرتا آ رہا ہے۔ یہ منافق مسلمانوں میں رہتے ہیں اور ڈاکٹر ہاورڈ کے ساتھ جو مصری رہبر تھا، وہ اسی فرقے کا ہے۔ مجھے یہ بات ایک مستند تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوئی۔ میں دراصل اس وقت قدیم مصری رسم الخط کی تحقیق کر رہا تھا۔'' خان نے بتایا۔

''یہ کب پتا چلا آپ کو؟''

''وہ اس کلب کا اس سال کا چیئر مین تھا۔'' خان نے بتایا۔

''ارے، مگر بھائی شوکت کہاں اڑ گئے آخر؟ نا گھر پہ پتا ہے نہ آفس میں۔'' بالے کو اچانک شوکت کی یاد آ گئی۔

''وہ ان کی قید میں تھا۔ وہ روانگی کے بعد اسے رہا کر دیتے، لیکن اس کا موقع ہی نہیں ملا۔ اسے ڈیسوزا نے اسی عمارت کے ایک بند کمرے سے برآمد کیا ہے۔'' خان نے بتایا۔

''باپ رہے... اب میری خیر نہیں...'' بالے نے اپنا سر تھام لیا۔

''خیر میر کی ایسی تیسی اور تمہاری بھی۔'' شوکت اچانک بڑبڑاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''لانت ہے اس سو روپے جواب کبھی تمہارے ساتھ کہیں جائے۔'' وہ غصے میں بھرا اندر آ کر کرسی پر دھم سے بیٹھ گیا، لیکن شاید کرسی اس کا بوجھ نہ سنبھال سکی، اس کے دو پائے جواب دے گئے اور شوکت کی آنکھیں پھیل گئیں۔

ببلقیس دروازے میں کھڑی ہنس رہی تھی۔

''لانت ہے سالی اس پولیس کی کرسی پر بھی... ہوشت۔'' وہ کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور غصے میں سلا مالیکم کہتا ہوا کمرے سے ہی نکل گیا۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi